

سپریم کورٹ آف پاکستان  
(دائرہ اختیار زیر آرٹیکل (3) 184)

بیچ:

مسٹر جسٹس افتخار محمد چوہدری  
مسٹر جسٹس جواد الیس - خواجہ  
مسٹر جسٹس خلیجی عارف حسین

Const.P. No. 40 of 2012 & CMA 2494/12

محمد اظہر صدیق

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. 41 of 2012 & CMA No. 2495/12

عمران خان

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. No. 42/2012

خواجہ محمد آصف

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. 43/2012

سید ظفر علی شاہ

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. 44/2012

الیس محمود اختر نقوی

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. 45/2012

چوہدری خالد فاروق، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

بنام

وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. No. 46 of 2012 & CMA 2496 of 2012

شاہد نسیم گوندل، ایڈووکیٹ بنام وفاق پاکستان وغیرہ

Const.P. No. 47 of 2012

چوہدری محمد اصغر سروہا وغیرہ بنام محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ مرزا، سپیکر قومی اسمبلی وغیرہ

Const.P. 50 of 2012

لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن بذریعہ شیخ احسن الدین، صدر ہائی کورٹ بار بنام سپیکر قومی اسمبلی وغیرہ

منجانب درخواست دہندگان  
جناب اے۔ کے، ڈوگر، سنیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ  
جناب اطہر صدیق، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ  
جناب محمود اے، شیخ، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ  
(Const.P.No. 40/2012 میں)

جناب حامد خان، سنیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ  
جناب ایم وقار رانا، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ  
ایس۔ صفدر حسین، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ  
(Const.P. No. 41/2012 میں)

خواجہ محمد آصف، ممبر قومی اسمبلی (خود)  
(Const.P. 42/2012 میں)

ایس۔ ظفر علی شاہ، سنیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (خود)  
(Const.P. 43/2012 میں)

ایس محمود اختر نقوی (خود)

(Const.P. 44/2012 میں)

جناب عبدالرحمان صدیقی، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(Const.P. 45/2012 میں)

جناب اے۔ کے، ڈوگر سنٹیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(Const.P. 46/2012 میں)

خان عطا اللہ ترین، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

چوہدری ایم اصغر سرہا، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(Const.P. 47/2012 میں)

جناب توفیق آصف، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(Const.P. 50/2012 میں)

جناب عرفان قادر، اٹارنی جنرل فار پاکستان

کورٹ کے نوٹس پر

چوہدری اعجاز احسن، سنٹیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

منجانب سید یوسف رضا گیلانی

جناب ایم۔ ایس خٹک، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

جناب محمد منیر پراچہ، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

منجانب وفاق

راجہ عبدالغفور، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

جناب محمد لطیف قریشی، جوائنٹ سیکریٹری (لیگل)، قومی اسمبلی

منجانب سپیکر قومی اسمبلی

جناب محمد نواز، ڈائریکٹر (لیگل)

منجانب الیکشن کمیشن آف پاکستان

14, 15, 18 & 19 جون، 2012

تاریخ سماعت

افتخار محمد چوہدری، چیف جسٹس:- مورخہ 15 اکتوبر 2007 کو صدر پاکستان نے قومی مفاہمتی آرڈیننس 2007 جس کو نیچے NRO درج کیا گیا ہے نافذ کیا۔ NRO اور اس کی مختلف شقوں کی قانونی حیثیت کے خلاف آئین کے آرٹیکل 184(3) کے تحت اس عدالت کے سامنے کئی درخواستیں (Petitions) دائر کی گئیں۔ اس عدالت نے اپنے فیصلے مورخہ 16 دسمبر 2009 جوڈاکٹر مبشر حسن بنام وفاق پاکستان (PLD 2010 SC 265) میں چھپا قرار دیا کہ NRO کی شقیں 6,2 اور 7 آئین پاکستان کے مختلف آرٹیکلز کے تحت اختیار سے بالاتر اور متضاد ہیں اور NRO کو سرے سے ہی کالعدم قرار دے دیا گیا۔ یہ مزید قرار دیا گیا کہ اس کے تحت کیے گئے تمام اقدامات، متاثرہ امور، کسی بھی مقتدرہ کی طرف جاری شدہ احکامات قانونی عدالتوں کی طرف سے جاری کردہ احکامات بشمول مجرم اشخاص کے حق میں سبکدوشی اور بریت کے احکامات کے بارے میں قرار پایا کہ ان کا قانون کی نظر میں کبھی بھی وجود ہی نہیں تھا اور نتیجتاً ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے فیصلے کے پیرا گرافز 177 اور 178 کو من وعن ذیل میں درج کیا گیا ہے:

177. چونکہ آئین کے آرٹیکل (3) 100 کے مندرجات کی روشنی میں

پاکستان کے اٹارنی جنرل وفاق حکومت کی جانب سے نہ تو کوئی کاروائی تفویض کی گئی تھی یا نہ ہی اُس حکومت نے اُسے اختیار دیا تھا اور نہ ہی کوئی حکم یا اختیار ہمیں دکھایا گیا جس کے تحت سابق اٹارنی جنرل جس کا نام ملک محمد قیوم ہے نے بیرونی ممالک بشمول سویٹزر لینڈ میں مختلف حکام/عدالتوں کو خط لکھنے کا مجاز تھا۔ اس لئے ایسے مراسلات جو اُس نے باہمی قانونی مدد کے بارے گزشتات واپس لینے کیلئے کیں یا بیرون ملکی کاروائیوں میں سول پارٹی کی حیثیت کے خاتمے کیلئے کیں یا سویٹزر لینڈ یا دوسرے ممالک میں مجاز حکام کے سامنے کاروائیوں کے خاتمے کا باعث بنے یا حکومت پاکستان کے بیان کردہ غیر قانونی حاصل شدہ بڑی رقوم کے دعویٰ جات کے خاتمے کا باعث بنے ان کو ملک محمد قیوم کی بے اختیار، غیر آئینی اور غیر قانونی کاروائیاں قرار دیا گیا۔

178. چونکہ NRO 2007 کو سرے سے ہی غیر قانونی قرار دیا گیا

ہے اس لیے قانون کی نظر میں اس قانون کے تحت کیے گئے تمام اقدامات کی کوئی حیثیت نہیں اس طرح ملک قیوم کی طرف سے مختلف غیر ملکی حکام/اتھارٹیز/عدالتوں کے نام جاری شدہ مراسلات جن میں حکومت پاکستان کی طرف پہلے سے دائر کی گئی گزشتات برائے باہمی قانونی مدد، بطور سول پارٹی کی حیثیت کو ختم کرنا، بیرونی ممالک بشمول سویٹزر لینڈ میں موجود غیر قانونی طریقے سے حاصل شدہ رقوم کے

دعویٰ جات کے خاتمے کو بلا اختیار اور غیر قانونی مراسلات قرار دیا گیا اور نتیجتاً ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے اس لیے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ ابتدائی درخواستیں برائے باہمی قانونی مدد، بطور سول پارٹی حیثیت کے حصول اور غیر قانونی طریقے سے حاصل شدہ رقوم کے دعویٰ جات جو بین الاقوامی ممالک بشمول سویٹزرلینڈ میں ہیں، قرار دیا جاتا ہے کہ وہ کبھی بھی واپس نہیں ہوئے اسلئے وفاقی حکومت اور دوسرے متعلقہ حکام کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان گذارشات، دعویٰ جات اور حیثیت کی بحالی کیلئے فوری اقدامات کریں۔

2۔ سائیلین کی جانب سے کہا گیا کہ وفاقی حکومت کی مجازاتھارٹی، عدالت کے وقتاً فوقتاً جاری شدہ واضح احکامات کے باوجود فیصلہ پر عملدرآمد میں ناکام ہو چکی ہے اور آج تک متواتر ان کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اس عدالت نے ایک اخباری تراشے پر از خود کاروائی بھی کی جس میں شائع ہوا تھا کہ ایک NRO سے مستفید شدہ شخص جس کا نام احمد ریاض شیخ ہے اسے وفاقی تحقیقاتی ادارے (F.I.A.) کی کرائم ونگ (Crime Wing) کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے کاروائیوں کے دوران حکومت کو دوبارہ حکم دیا گیا کہ وہ تمام مقدمات دوبارہ بحال کروانے کیلئے اقدامات کرے بشمول وہ مقدمات جو بیرون ملک NRO کے نفاذ سے پہلے چل رہے تھے اور ان کو NRO کی وجہ سے بند کر دیا گیا تھا۔ عدالت نے ڈاکٹر مبشر حسن کے مقدمہ میں جاری شدہ ہدایت کو دہرایا کہ متعلقہ فیصلہ کے پیرا گراف 177 اور 178 میں موجود ہدایت کی روشنی میں خط لکھا جائے مورخہ 30 مارچ 2010 سابق سیکرٹری، وزارت قانون، انصاف اور پارلیمانی امور کو عدالت کے سامنے بلایا گیا اور اُس سے فیصلے پر عملدرآمد میں تاخیر کی وضاحت طلب کی گئی۔ وہ مورخہ 31 مارچ 2010 کو پیش ہوئے اور بذریعہ جناب انور منصور خان، پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل، وزارت انصاف اور قومی احتساب بیورو (NAB) کی جانب سے رپورٹس پیش کیں۔ فاضل اٹارنی جنرل نے ان کو جانچنے اور عدالت کے احکامات پر من و عن عملدرآمد کے بارے میں بتانے کیلئے کچھ مہلت طلب کی۔ مورخہ یکم اپریل، 2010 عدالت کو بتایا گیا چیئر مین نیب نے سوکس حکام کو اس گذارش کی بحالی کیلئے ایک خط لکھا ہے۔ اُس تاریخ کے حکمنامہ کے ذریعے عدالت نے وضاحت کی کہ سویٹزرلینڈ میں کاروائیوں میں پاکستان کے موقف کی بحالی بطور دیوانی / نقصان زدہ پارٹی حکومت کے دائرہ اختیار میں آتا ہے اس لیے حکومت کو اُسی ضابطہء کار پر عمل کرنا چاہیے جو پہلے کیا گیا تھا۔ عدالت نے شروع اوقات میں یہ ہدایات جاری کرنے کے بعد سہ پہر کو مقدمہ کی کاروائی دوبارہ ہوئی۔ فاضل اٹارنی جنرل پیش ہوئے اور عدالت کو بتایا کہ اُس نے وزارت قانون، انصاف اور پارلیمانی امور کے ریکارڈ تک رسائی کی پوری کوشش کی مگر بابر اعوان، وزیر قانون نے کسی نہ کسی بہانے اس بارے میں تعاون کی اجازت نہیں دی۔ عدالت نے تب سیکرٹری وزارت قانون کو اُسی دن بلایا جو پیش ہوئے اور بیان کیا کہ اُنہیں

وزارت خارجہ کی جانب سے تین ہفتوں کے دوران جو سیٹرز لینڈ اور ایک اور سرکاری منصب دار کے نام تھے۔ یہ بھی بیان کیا کہ اُس سے ان خطوط کے سوئیٹر لینڈ بھوانے کے بارے میں رائے لی گئی۔ اُن کے مطابق اُس نے دولہانے گھر میں بحفاظت رکھے ہوئے ہیں اور اُس نے اس معاملے کے بارے میں ابھی اپنی رائے قائم کرنی ہے۔ تب عدالت نے فاضل اٹارنی جنرل اور نیب کے وکیل کو ہدایت کی کہ وہ عدالت کے رجسٹرار کو یہ تصدیق کر کے رپورٹ پیش کریں کہ آیا سوس مقدّمات کو کھولنے کے بارے میں درخواست بھجوائی جا چکی ہے اور اُس میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ مگر کوئی ایسی رپورٹ عدالت میں پیش نہیں کی گئی۔ جناب انور منصور خان نے بطور اٹارنی جنرل پاکستان سے استعفیٰ دے دیا۔

3۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً معاملہ مختلف تاریخوں میں اٹھایا گیا 25 مئی 2010ء کو اس وقت کے وزیر قانون حاضر ہوئے اور کورٹ کو بتایا کہ ایک سمری کورٹ کے فیصلے کی تعمیل کیلئے بشمول پارٹی کے دیوانی نقصانات کے ازالے کیلئے وزیر اعظم کو پیش کردی گئی ہے۔ اسے ہدایت کی گئی ہے کہ وفاقی حکومت کی طرف سے ایک جامع بیان دائر کرے خصوصاً فیصلہ کے نفاذ کیلئے جو اقدامات کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک جامع بیان داخل کیا گیا تھا کہ وزیر اعظم کے جائزہ کیلئے بھیجی گئی سمری پر وزارت قانون اور انصاف نے رول آف برنس 1973ء کے تحت کوئی مخصوص خیالات نہیں دیئے۔ وزیر اعظم کی تجویز/مشاہدہ اس کورٹ کے حکم منورخہ 10 جون 2010ء میں دہرایا گیا ہے۔

4۔ ایک زائد المعیاد نظر ثانی کی درخواست وفاقی حکومت کی طرف سے ڈاکٹر مبشر حسن کیس میں دائر فیصلہ کے خلاف کی گئی اور تعمیلی کارروائی کو روک دیا گیا۔ نتیجتاً بعد ازاں نظر ثانی کی درخواست مسترد کردی گئی بحوالہ فیصلہ رپورٹ شدہ فیڈریشن آف پاکستان بنام مبشر حسن (PLD 2012 SC106)۔ تاہم بعد میں دوبارہ پانچ رکنی بینچ کے سامنے فیصلہ کے عملدرآمد کا ایشواٹھایا گیا۔ 3 جنوری 2012ء کو معزز اٹارنی جنرل سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے عدالت کے پہلے فیصلہ منورخہ 5 جولائی 2010ء کے تناظر میں وزیر اعظم کو سمری بھجوائی ہے۔ فاضل اٹارنی جنرل نے معاملے میں کسی قسم کی پیش رفت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

5۔ عدالت نے اپنے حکم منورخہ 10 جنوری 2012ء میں فیصلے کے موثر عمل درآمد کیلئے 6 مختلف تجاویز وضع کیں۔ ان میں سے موجود تجویز نمبر 2 جو یہاں نیچے دہرائی جا رہی ہے کو عدالت نے مد نظر رکھا۔

## تجویز نمبر 2

برخلاف چیف ایگزیکٹو آف فیڈریشن جو وزیر اعظم، وفاقی وزیر قانون، انصاف اور پارلیمانی امور، سیکریٹری قانون، انصاف اور انسانی حقوق کے ڈویژن کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی شروع کی جائے جو مسلسل واضح طور پر دیدہ و دانستہ فیصلے اور ڈاکٹر مبشر حسن کیس میں اس عدالت نے ہدایات دی تھیں کے نفاذ میں ناکام ہوئے۔ دوسرے نتائج سے قطع نظر، اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ آئین کے آرٹیکل 63(1) کی شق (g) اور (h) کو آئین کے آرٹیکل 113 کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایسے الزام کی ممکنہ سزائیں شوریٰ یا صوبائی اسمبلی میں منتخب ہونے کیلئے کم از کم پانچ سال نااہلی کا سبب ہو سکتی ہے۔

6۔ اس عدالت کے ایک سات رکنی بینچ نے سید یوسف رضا گیلانی، وزیر اعظم پاکستان جن کو یہاں مابعد ”مدعا علیہ“ کے نام سے پکارا جائے گا، کو نوٹس جاری کیا۔ تمام جائز معمولات قانون کا جائزہ لینے کے بعد، ان کے خلاف مندرجہ ذیل فرد جرم عائد کی گئی

”کہ آپ سید یوسف رضا گیلانی، وزیر اعظم پاکستان نے، عدالت ہذا کی طرف سے، ڈاکٹر مبشر حسن بنام وفاقی پاکستان (پی ایل ڈی 265 2010 SC) کے مقدمہ کے پیرا 178 میں جاری کردہ ہدایت، کہ بیرونی ممالک بشمول سویٹزرلینڈ میں رقوم کی مبینہ غیر قانونی انتقال کے ذریعے منتقل شدہ رقوم کے تناظر میں درج شدہ دعویٰ جات میں حکومت پاکستان کی طرف سے باہمی قانونی امداد کی فراہمی اور بطور دیوانی فریق کی حیثیت سے، اس درخواست، جو ملک محمد قیوم، سابق اٹارنی جنرل برائے پاکستان کی متعلقہ حکام سے غیر مجاز خط و کتابت کے نتیجے میں واپس لے لی گئی تھی کی بحالی و از سر نو اعادہ تھا، کو دانستہ طور پر نظر انداز کیا، بے اعتنائی برتی، اور نافرمانی کی ہے۔ یہ وہ ہدایت تھی جس پر آپ عمل درآمد کرنے کے قانونی طور پر پابند تھے، اس طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء کے آرٹیکل 204(2) جس کو توہین عدالت آرڈیننس (آرڈیننس 2003) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے، کے معنوں میں توہین عدالت کا ارتکاب کیا ہے، جو آرڈیننس کی دفعہ 5 کے تحت قابل سزا اور اس عدالت کے دائرہ اختیار میں ہے۔ ہم ہدایت جاری کرتے ہیں کہ آپ پر مذکورہ بالا فرد جرم کی بناء پر عدالت ہذا میں مقدمہ چلایا جائے“

7۔ فرد جرم کی صحت سے انکار کیا گیا۔ معاملہ مکمل سیر حاصل سماعت تک گیا، نتیجتاً، مدعا علیہ کو 26 اپریل 2012 کو مختصر

حکم نامہ میں، آئین کے آرٹیکل (2) 204 جس کو توہینِ عدالت کے آرڈیننس 2003ء کی دفعہ تین کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے، کے تحت مجرم قرار دیتے ہوئے، عدالت کے برخاست ہونے کے وقت تک کیلئے قید کی سزا سنائی گئی۔ اس حکم نامہ کی موجبات تفصیل کے ساتھ 8 مئی 2012 کو جاری کر دی گئی تھیں۔ اس حکم نامہ کے خلاف مدعا علیہ کی طرف سے کوئی اپیل دائر نہ کی گئی تھی۔

8۔ قومی اسمبلی کی اسپیکر نے 26 اپریل 2012ء کا حکم نامہ وصول ہو جانے کے بعد 24 مئی 2012 کو رولنگ دے دی۔ جس میں انہوں نے فیصلہ کیا حتیٰ کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کی طرف سے جاری کردہ حکم نامہ میں مجرم قرار دیئے جانے کے باوجود کہا کہ مدعا علیہ کی نااہلیت کا کوئی سوال / پہلو پیدا نہ ہوتا تھا۔ اسپیکر کی رولنگ کے متعلقہ پیرا گرافس ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

”5۔ اب اس نقطہ کی طرف آتے ہوئے آیا کہ آئین کے آرٹیکل 63 کی زبانی دفعہ (2) کے تحت کسی رکن کی بطور رکن پارلیمنٹ اس مواد یا معلومات جو میرے روبرو پیش کی گئیں ہیں کی بنیاد پر اور آرٹیکل ہذا کے تحت اسپیکر کو حاصل شدہ اختیارات و دائرہ کار کی روشنی میں، نااہلیت کا کوئی سوال / پہلو پیدا ہوتا ہے، میں آرٹیکل 63 کی ذیلی دفعہ (2) کو ذیل میں نقل کرنا چاہوں گی:

”اگر کوئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ، کیا کوئی رکن مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) بطور رکن نااہل ہو چکا ہے تو اسپیکر یا جیسے بھی ہو، یا چیئر مین، جب تک وہ یہ فیصلہ نہ کر دے کہ نااہلیت کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے، معاملہ تیس دن کے اندر معیاد الیکشن کمیشن آف پاکستان کو بھیج دے گا اور اگر وہ اس مذکورہ بیان شدہ معیاد میں ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھیج دیا گیا ہے“

6۔ یہاں اس موضوع پر متعلقہ کیس لا کا حوالہ دیا جانا بہت مفید ہوگا۔ کنور انظر محمد خان بنام وفاقِ پاکستان و دیگران کے مقدمہ، طبع شدہ و مذکور (MLD Lahore 1903) 1995 میں قرار دیا گیا کہ آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت، ریفرنس کا جائزہ لیتے ہوئے اسپیکر کا کردار محض ایک پوسٹ آفس کا کام سرانجام دینا تصور نہ ہوتا ہے۔ اگر انہیں کوئی ریفرنس بھیجا جاتا ہے تو وہ اس کو چیف الیکشن کمشنر کے پاس مزید فیصلہ کیلئے بھیجنے / ارسال کرنے کا پابند نہ ہے۔

اسپیکر کو، موضوع کے متعلقہ تمام قوانین و دفعات پر مکمل غور و حوض کرتے ہوئے، عدالتی ذہن کی تمام صلاحیتیں بروئے کار لانا ہونگی اور پھر یہ فیصلہ کرنا ہوگا، آیا کہ نااہلیت کی نوعیت کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے جو اس ریفرنس کو چیف الیکشن کمشنر کی طرف ارسال کئے جانے کی معقول دلیل / موجب بن سکے اور PLD 2005 SC 52 میں سپریم کورٹ کی طرف سے اسی طرح کے ملتے جلتے نقطہ نظر کا اظہار کیا گیا تھا۔



نتیجتاً سپیکر نے کچھ اس طرح سے قرار دیا:-

”مذکورہ بالا تمام بحث کی روشنی میں، میرا نقطہ نظریہ ہے کہ سید یوسف رضا گیلانی کے خلاف عائد الزامات کا آرٹیکل (1) 63 کے پیرا گرافس (g) یا (h) میں تصریح شدہ موجبات سے تعلق نہیں بنتا ہے۔ چنانچہ آئین کے آرٹیکل 63 کی ذیلی دفعہ (2) کے تحت سید یوسف رضا گیلانی کی بطور رکن نا اہلیت کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا ہے۔ یہ اسسٹنٹ رجسٹرار (IMP) برائے رجسٹرار برائے سپریم کورٹ آف پاکستان کی چٹھی کا بمطابق جواب ہے۔ مزید برآں مولوی اقبال حیدر، وکیل کی نالش، چونکہ کسی میرٹ کی حامل نہ ہے۔ قائم و برقرار رکھے جانے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے بمطابق مسٹر دکی جاتی ہے۔“

9۔ یہ درخواستیں براہ راست کورٹ ہذا کے سامنے سپیکر کی مذکورہ بالا رولنگ کو ان الزامات کے ساتھ چیلنج کرتے ہوئے آئین کے آرٹیکل (3) 184 کے تحت دائر کی گئی ہیں کہ عدالت ہذا کے سات رکنی بینچ کے فیصلہ کے بعد مسئول الیہ مجلس شوری (پارلیمنٹ) کے رکن کی حیثیت سے نااہل ہو چکا ہے۔ اور وزیراعظم بننے کا حق بھی اپنی سزایابی کے دن سے کھو چکا ہے۔ آئینی درخواست نمبر 40 اور 41 سال 2012 میں دادرسی کی جزیات کو ذیل میں دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔

آئینی درخواست نمبر 40/2012

اس لئے مذکورہ بالا پیراجات میں متذکرہ گزارشات کی روشنی میں استدعا کی جاتی ہے کہ مسئول الیہ نمبر 2 سے معلوم کیا جائے کہ کس قانونی جواز کے تحت وہ وزیراعظم کا دفتر رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مزید استدعا کی جاتی ہے کہ فاضل عدالت ہذا میں پٹیشن کے فیصلہ تک مسئول الیہ نمبر 2 کو پابند کرے کہ وہ بطور وزیراعظم عمل کرنے سے باز رہے اور مذکورہ دفتر کے اختیارات اور سہولیات کے استعمال سے گریز کرے۔

آئینی درخواست نمبر 41/2012

مودبانہ استدعا ہے کہ عدالت ہذا مسئول الیہ نمبر 1 کے فیصلہ مورخہ 24-05-2012 کو غیر آئینی، باطل، بنیادی حقوق کی خلاف ورزی پر آزا عدلیہ اور انصاف تک رسائی سے متصادم ہونے کا حکم صادر فرمائے۔ مزید استدعا ہے کہ عدالت ہذا مسئول الیہ نمبر 4 کو حکم کرے کہ مسئول الیہ نمبر 2 کا آرٹیکل (2) 63 اور (3) کے تحت نااہلی کے امر کا فیصلہ کرے۔

10۔ ہم نے تمام درخواستوں میں فریقین کے فاضل وکلاء بشمول اٹارنی جنرل کے موافق اور ناموافق دلائل اور عدالت

میں بیان کردہ کیس لا کو تفصیل سے سماعت کیا ہے۔

11۔ آغاز میں یہ مناسب ہوگا کہ مسئول الیہان اور فاضل اٹارنی جنرل کی جانب سے ان درخواستوں کی قابل پذیرائی کے خلاف اٹھائے گئے ابتدائی اعتراضات سے نمٹا جائے۔ جناب اعتر از احسن سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے بطور فاضل وکیل مسئول الیہہ نے ان درخواستوں کی قابل پذیرائی کو اس بنیاد پر چیلنج کیا کہ یہ آئین کے آرٹیکل (3) 184 کی مطلوبہ شرائط پر کو پورا نہیں کرتیں۔ یعنی کہ آئین کے باب احصہ دوم میں فراہم کردہ سوال بنیادی حقوق کے نفاذ سے متعلق کوئی عوامی اہمیت کا سوال ملوث نہیں ہے۔ فاضل وکیل کے مطابق درخواست گزاروں نے کسی ایسے بنیادی حقوق کی نشاندہی نہ کی ہے جس کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ وفاق کی جانب سے محمد منیر پراچہ فاضل ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے بھی اسی اعتراض کا اعادہ کیا۔ اس نے سید کبیر احمد بخاری بنام وفاق پاکستان (1988 SCMR 1988) کا حوالہ دیا جس میں درخواست کونا قابل پذیرائی سمجھتے ہوئے اس بناء پر خارج کیا گیا کہ کسی بنیادی حق کی خلاف ورزی نہ ہوئی ہے۔ جس کے نفاذ کی خاطر آئین کے آرٹیکل (3) 184 کے تحت عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو متحرک کیا جائے۔ زیر غور درخواستوں کی قابل پذیرائی کے امر سے متعلق فاضل اٹارنی جنرل نے دلائل دیئے کہ تمام درخواست گزار بالخصوص خواجہ محمد آصف MNA پاکستان مسلم لیگ (ن) نے صاف ہاتھوں سے عدالت سے رجوع نہ کیا ہے۔ اس لئے وہ عدالت عظمیٰ کو سیاسی مفاد کی خاطر اور آئندہ انتخاب میں عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

12۔ جواب میں جناب حامد خان نے کہا کہ درخواست گزار بشمول عمران خان جو ایک سیاسی جماعت کا سربراہ ہے نے آئین کے آرٹیکل 10-A, 14, 17 اور 25 میں موجود بنیادی حقوق کے تحفظ اور دستور و قانون کی اطاعت کی پاسداری کیلئے جو کہ ہر چھوٹے بڑے شہری کیلئے مقدس فریضہ ہے کی خاطر عدالت ہذا سے رجوع کیا ہے۔ انہوں نے محمد نواز شریف بنام صدر پاکستان کے کیس پر انحصار کیا (PLD 1993 SC 473)۔ اس نے مزید دلائل دیئے کہ سپیکر کا عمل آزاد عدلیہ کے اصول سے متصادم اور انصاف تک رسائی کے بنیادی حق عدالت ہذا کے طے کردہ اصول جو کہ مقدمہ اسد علی بنام وفاق پاکستان (PD 1998 SC 161) سے انحراف ہے۔ حامد خان نے دلائل دیئے کہ درخواستوں کی قابل پذیرائی سے متعلق زیادہ تر کیس لایں سوال نہیں اٹھایا جاسکتا۔ جیسا کہ عدالت ہذا میں حج انتظامات کرپشن ریفرنس میں حال ہی میں فیصلہ کیا ہے (PLD 2011 SC 963) جس میں آرٹیکل (3) 184 کے تحت عدالت ہذا کے اختیار سماعت کا واضح معیار مقرر کر دیا ہے۔ اس نے مزید دلائل دیئے کہ وزیراعظم کی سزایابی سے درحقیقت عوامی اہمیت کا سوال اٹھتا ہے اور ان کے مذکورہ بالا بنیادی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔ جو درخواست گزاروں کو حق دیتی ہے کہ وہ عدالت ہذا کے اختیار سماعت اپنے بنیادی حقوق کے نفاذ کیلئے حرکت میں لائیں

13۔ اس عدالت میں آرٹیکل (3) 184 کے تحت دائر کی گئی ہر درخواست میں اس کا قابل سماعت ہونے کا اعتراض اٹھایا جاتا ہے جسے ہر کیس کے حقائق اور حالات کے مطابق نمٹایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا دائرہ اختیار طے شدہ ہے۔ اس دائرہ سماعت کو حرکت دینے کیلئے ہر درخواست گزار کیلئے عدالت کو مطمئن کرنا ضروری ہے کہ معاملہ آرٹیکل (3) 184 کے تحت ہے جو عوامی اہمیت اور بنیادی حقوق کے متعلق ہے۔ درخواستوں کی سماعت کی حمایت کے متعلق انہوں نے بے نظیر بھٹو اور محمد نواز شریف کے کیس کا حوالہ دیا۔ ان دونوں فیصلوں میں عدالت نے آرٹیکل (3) 184 کے دائرہ اختیار کی وسیع تر تشریح کی ہے۔ پہلے کیس میں چیف جسٹس محمد حلیم نے عوامی مفادات کے مقدمات کے پیروی شروع کرنے کے معاملے میں حق مداخلت کے متعلق ایک مشہور گفتگو کا حوالہ دیا ہے جو یہاں نیچے دوبارہ لکھا جا رہا ہے۔

آخر کار قانون ایک بند دوکان نہیں ہے حتیٰ کہ مد مقابل طریقہ کار میں بھی Next Friend کو نابالغ اور معذور شخص کی طرف سے عدالت جانے کی رسائی کی اجازت دیتا ہے تو پھر کیوں وہ ایک شخص کو کورٹ کو مطمئن نہیں کرتا اگر وہ نیک نیت تھا۔ تو وہ یہ عوامی مفاد کی مقدمہ بازی کا میابی چاہتی ہے جو آگے جا کر قانون کی مداخلت کو آسان کرتی ہے۔ تاکہ ایک نیک نیت حق دار، مخصوص لوگوں کے طے شدہ آئینی حق کی خلاف ورزی پر درخواست دائر کرے جس کے مسائل کو حل یا سنا نہیں گیا۔ اس حوالے سے کاروائی کا آغاز آئین کے آرٹیکل 4 میں تمام شہریوں کے تحفظ کو قانون میں مدد ہوگی۔ یعنی کہ قانونی تحفظ اور قانون کے مطابق رویے سے مستفید ہونا شہریوں کا غیر منقسم حق ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں اور ہر دوسرا شخص جو اس وقت پاکستان میں ہو (The World Peace Through Law Conference at Lagos in 1961)۔

آرٹیکل (3) 184 کے تحت اس عدالت کے دائرہ اختیار کی نوعیت اور گنجائش پر فاضل چیف جسٹس نے درج ذیل

تبصرہ کیا:

”آرٹیکل (3) 184 کے تحت پتا چلتا ہے کہ اس کے دائرہ کاری کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ آرٹیکل یہ نہیں کہتا کہ سپریم کورٹ جانے کا حق کسے ہے اور نہ ہی یہ کہتا ہے کہ سپریم کورٹ کی کاروائی کیا ہوگی۔ آیا بنیادی حقوق کا نفاذ ایک فرد تک محیط ہے جس کا حق مجروح ہوا یا ایک گروپ یا فرد جن کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی۔ اس طرح ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ آرٹیکل (1-a) (1-c) 199 کی عدم شمولیت کیسے علاوہ متاثرہ شخص کی کرخت رائے آرٹیکل (3) 184 کو پورا کرتی ہے کیونکہ روایتی مقدمات کے مد مقابل کردار میں دونوں فریقوں میں مقدمہ بازی ہوتی ہے۔ جہاں ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف داد رسی مانگ رہی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری پارٹی اس کو روک رہی ہوتی ہے۔ اس قانون پر اینگلو سیکسن کا

ایک نتیجہ خیز اصول ہے۔ جس میں صرف مظلوم شخص ہی ظالم کے خلاف دادرسی کے لئے عدالتی نوعیت کی کارروائی کر سکتا ہے۔“

تاہم اس کے برعکس اس طریقہ کار پر کچھ ملکوں کے سول نظام قانون میں عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کا منطق و مقصد فریقین مقدمہ کو کم کرنا اور قانون کی حکمرانی و تحفظ اور ذاتی مفادات و خدمت کے جمور کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ قانون کی حکمرانی کیلئے مہلک ہے جو آرٹیکل 4 میں دیئے گئے تمام شہریوں کو تحفظ دیتا ہے۔ میرے خیال میں قانون اور زندگی کے معاملے میں قانون کی حکمرانی کی حدود کو آئینی تناظر میں محدود نہیں کیا جاسکتا جو عدالتی افعال پر ایک بڑا مطالبہ ہے۔ لہذا آرٹیکل (3) 184 کو سمجھتے ہوئے نقطہ تشریح سادہ قانون کے مطابق اور آسان فہم ہی نہیں بلکہ مقصد کے مطابق ہو جس کے لئے آرٹیکل بنایا گیا ہے یعنی کہ نقطہ نظر لازمی طور پر شقوق سے مطابقت رکھتا ہو اور پورے آئین کو تقویت دیتا ہو یعنی قرارداد و مقاصد، آرٹیکل (2-A)، بنیادی حقوق، ہدایاتی ریاستی پالیسی و جمہوری اصول، رواداری، مساوات اور اسلام کے مطابق سماجی انصاف سے مطابقت رکھتا ہو۔

اس ماحول میں میرے خیال میں مخالف طریقہ کار جہاں ایک شخص نے خطا کی وہ اہم کردار ہے اگر اس شخص کا تعاقب کیا جائے بنیادی حقوق کے نفاذ کیلئے جیسا کہ فاضل اٹارنی جنرل نے کہا اور ناکامی کی صورت میں انصاف کی فراہمی سب کیلئے نہیں ہوگی۔ یہ نہ صرف تسلیم شدہ بین الاقوامی انسانی حق ہے بلکہ آئینی اہمیت پر فرض کیا گیا ہے کیونکہ یہ وسیع تر بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر دادرسی دیتا ہے اور ساتھ ہی سماجی انصاف کو فروغ دیتا ہے جو قومی امیدوں، لوگوں کی تمناؤں آئین میں دی گئی بنیادی قدروں اور معاشرتی استحکام کو بڑھاتا ہے یعنی قانونی نظام سے قومی سالمیت، یکجہتی، سماجی مساوات اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

یہ مثال صرف قانون کے تحت زندگی کے جمہوری طریقہ کار اپنانے اور بنیادی حقوق اور حصول پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ آئین کے بنانے والوں کی نیت سماجی حصول اور معاشرتی انصاف پر عمل درآمد ہے جو پالیسی کے اصولوں اور بنیادی حقوق کے فریم ورک میں دیئے گئے ہیں۔ آئین کے پارٹ ون اور ٹوجن میں بنیادی حقوق اور ہدایاتی اصول ریاستی پالیسی دیئے گئے ہیں آئین کی سکیم میں ایک فخریہ حیثیت رکھتے ہیں اور میں ایسے بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ آئین کے ضمیر ہیں، کیونکہ یہ سماجی و اقتصادی انصاف کو پر عزم بناتے ہیں۔ ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصولوں کو ریاستی اقتدار میں بنیادی طور پر شمار کئے جانے چاہئیں۔ لیکن یہ عدالت کی طرف سے ناقابل نفاذ ہیں۔ بہر حال یہ ریاست کی طرف سے تمام قانونی احکام اور ریاستی اصولوں کو نافذ کرنے کی بنیاد ہیں۔ جیسا کہ جمہوریت کے اصول قاعدہ پر مبنی نہیں اور نہ ہی سماجی و اقتصادی انصاف کا نظریہ غیر مشروط طور پر مقبول کرتے ہیں لہذا آئین

کے مصنفین بنیادی حقوق اور پالیسی کے اصولوں کی تکمیل کو اس کی نیت سے تفصیل دی گئی ہے تاکہ دونوں حصے ترکیب و آمیزش سے قانون کی حکمرانی میں مساوی معاشرہ بنانے کی قیادت کریں۔ تاہم ریاست کے ہدایتی اصولوں پر ہمیں عملدرآمد کرتے ہوئے ریاست کو ایسا قانون نہیں بنانا چاہئے جو دور لے جائے یا باب 1 میں دیئے گئے بنیادی حقوق کو کم کریں جن کی آرٹیکل (2) (1) 8 میں پابندی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ریاستی پالیسی اصولوں کے مطابق ہونی چاہئے اور انہیں بنیادی حقوق باب نمبر 1 کے ضمنی کے طور پر چلانا چاہئے بصورت دیگر باب کی حفاظتی شقیں صرف ایک ریت کی دیوار ہوگی۔ اس مثالی کامیابی پر قانون کو اہم کردار ادا کرنا ہوگا یعنی اسے سماجی و اقتصادی انصاف کی گاڑی کے طور پر کام کرنا ہوگا جس کی تشریح کیلئے عدالت آزاد ہے۔

Page No. 17-19

درخواست زیر دفعہ (3) 184 میاں محمد نواز شریف بنام صدر پاکستان (PLD 1993 SC 473) کی قابل سماعت ہونے کے متعلق بحث کی گئی اور فیصلہ صادر کیا گیا جو کہ مندرجہ ذیل ہے:-

"6 شق 17 جو کہ بنیادی حقوق کی ضمانت دیتی ہے کی تاویل کرنے وقت ہمارا نقطہ نظر تنگ اور فضیلت نما نہیں ہونا چاہیے بلکہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ لچکدار ہونا چاہیے اور اس مقصد کو بنیادی حقوق سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے جس کے لئے اس آئین میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کا مکمل مفہوم اور مطالب کو دوسری دفعات جیسا کہ آئین کا دیباچہ پالیسی کے اصولوں اور قرارداد مقاصد جو کہ آئین پر روشنی ڈالتا ہے کے ساتھ اکٹھا کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں PLD 1988 SC 416 at 489 بے نظیر بھٹو بنام فیڈریشن آف پاکستان میں محمد حلیم چیف جسٹس (جیسا اس وقت تھا) کی طرف سے دیے گئے مشاہدے کا حوالہ دیا جاسکتا ہے:-

"----- شق (3) 184 کے تاویل کرتے وقت تشریح کا نقطہ نظر رولز کے مشاہدے اور تشریح کے استعمالات میں پر تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس سلسلے میں معروض اور مقصد جس کے لئے اس آرٹیکل کو نافذ کیا گیا کو مد نظر رکھنا چاہیے یعنی اس تشریح کا نقطہ نظریہ ہو کہ پورا آئین بشمول قرارداد، مقاصد (شق 2A)، بنیادی حقوق اور ریاست کی پالیسی کی ہدایات کے طور پر جمہوریت، رواداری، مساوات، سماجی انصاف کو اسلام کے مطابق حاصل کرنے کے لئے ہر طرح سے متاثر کرے۔

منیر حسین بھٹی بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD 2011 SC 407) کے کیس میں مندرجہ ذیل اصول طے کیا گیا:-

"6 درخواست گزاروں نے اس کورٹ کے دائرہ اختیار زیر شق (3) 184 کے تحت درخواست دی ہے مسٹر K.K آغا، فاضل ایڈیشنل اٹارنی جنرل آف پاکستان نے دلیل دی کہ مندرجہ بالا آئین کے شق کے تحت اس عدالت کا

.....14.....

عوامی اہمیت (ب) بنیادی حقوق کے نفاذ کے دونوں اصولوں کی قابلیت پر نہیں پہنچے۔ یہ مقدمات ہیں منظور الہی بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1975 SC 66 صفحہ نمبر (159 اور 128، 144)، شاہدہ ظہیر عباسی بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 1996 SC 632 صفحہ نمبر 659 اور 662 کی سائیڈ لائن G اور H سید ذوالفقار مہدی بنام PIAF 1998 SCMR 793 صفحہ نمبر 799، 800، 801 سائیڈ لائن CB A اور D، وطن پارٹی بنام صدر پاکستان PLD 2003 SC 74 صفحہ نمبر 81، سائیڈ لائن D اور E، میاں محمد شہباز شریف بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2004 SC 583 صفحہ نمبر 596 پیرا نمبر 18-19، صفحہ نمبر 597، 598 پیرا نمبر 22 اور APNS بنام فیڈریشن آف پاکستان PLD 2004 SC 621A، 619W at 600۔ تاہم مندرجہ بالا 07 میں سے کوئی بھی مقدمہ عدلیہ کی آزادی یا عدالتی تقرریوں سے متعلق نہیں، اور یہ اسی وجوہ پر قابل امتیاز ہے۔

مندرجہ بالا بحث اور مثالوں کے جائزہ لینے کی بناء پر ہم کسی بھی شک میں نہیں کہ یہ مقدمات آئین کی شق (3) کے تحت دائرہ اختیار کی مشق کے لئے موزوں ہیں۔

14۔ موجودہ کیس کے ضمن میں اس عدالت کا حالیہ فیصلہ جو جج انتظامات 2010ء میں بدعنوانی (PLD 2011 Sc 963) میں دیا گیا کا بھی گہرا تعلق ہے۔ اس سے متعلقہ بحث سے رجوع کرنا بھی سودمند ہو سکتا ہے جو کہ درج ذیل ہے:-

”20۔ عدلیہ بشمول عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ اس بات کی پابند ہے کہ وہ آئین کا تحفظ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ آئین کی شق 199 اور (3) 184 میں دیئے گئے اختیارات کے ذریعے آئین کے تحت دیئے گئے انفرادی یا اجتماعی بنیادی حقوق کا بھی نفاذ کرے۔ ہم اپنے اختیارات کے مکمل دائرہ کار میں ہیں، عدالتی مشینری کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین اور قانون کے عین مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔ ہم اپنے اختیارات سے آگاہ ہیں اور ان کو عدالتی حدود میں رہتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان حدود کو عدم انصاف اور شہریوں کے حقوق کی قیمت پر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ آئین کے تحت یہ اعلیٰ عدلیہ کا فرض ہے کہ وہ قانون و آئین کی تشریح کرے اور بنیادی حقوق کا نفاذ کرے۔ اس مقولے میں کوئی دورائے نہ ہیں کہ یہ عدالت ہی حتمی منصف ہے جو کہ آئین کی محافظ ہے، جو اوپر بیان کیا گیا ہے، اس کو دوہرائے بغیر، مندرجہ بالا حالات اور تفصیلی حقائق سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس چیز کو یقینی بنانے کے لئے کہ بدعنوانی اور بددیانتی سے حجاج سے لوٹ کھسوٹ کی گئی جس سے ملک کی بدنامی ہوئی، اس عدالت نے کارروائی کا آغاز کیا۔“

15۔ موجودہ کیس میں وزیراعظم کو ڈاکٹر مبشر حسن کیس میں جاری کی گئی ہدایات کی مسلسل اور جان بوجھ کر بغاوت کی وجہ سے ملک کی اعلیٰ عدلیہ کی طرف سے سزا دی گئی اور اعلیٰ سطح پر اس قسم کی مسلسل بغاوت انصاف کی فراہمی کے لئے انتہائی

مہلک اور نہ صرف اس عدالت بلکہ ملک کی تمام عدلیہ کی تضحیک سمجھی گئی۔ اعلیٰ عدلیہ کے حتمی فیصلے کے باوجود سپیکر کا یہ فیصلہ کہ مدعا علیہ کی نااہلی کا سوال نہیں اٹھتا عدلیہ کی آزادی، اختیارات کی ثلاثی تقسیم کے اصولوں سے بغاوت تھا اور آئین کی شق 10-A کے تحت مناسب کارروائی کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ان تمام باتوں نے اس کیس کو عدالت کے بنیادی حق سماعت کو استعمال کرنے کے لئے موزوں بنایا۔ اس تناظر میں ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ موجودہ پٹیشنز میں آئین کی شق 9, 10-A, 14, 17 اور 25 میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے نفاذ سے متعلق قومی اہمیت کے سوال کو اجاگر کیا گیا ہے اور یہ پٹیشنز آئین کی شق (3) 184 پر پورا اترتی ہیں لہذا ان کو قابل سماعت قرار دیا جاتا ہے۔ مدعا علیہم کے فاضل وکیل کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراض کو بغیر میرٹ کے ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

16۔ مدعا علیہ کے وکیل جناب اعتر از احسن (Sr. ASC) نے دلائل دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مدعیان براہ راست آئین کی شق (3) 184 کے تحت عدالت کے اختیار سماعت کو حرکت میں لائے ہیں اور اگر وہ دادرسی پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو مدعا علیہ آئین کی شق (3) 165 کے تحت اپنے اپیل کے حق سے محروم ہو جائے گا، جو کہ آئین کی شق 4 اور 10A کے تحت دیئے گئے مناسب کارروائی اور پیروی کے حق میں شامل ہے۔ اس سلسلے میں عبدالحق بنام محمد یاسین (PLD 1956 Lahore 209، پاکستان بنام عوام الناس (6 SC 1989 PLD) اور جماعت اسلامی بنام فیڈریشن آف پاکستان (30 SC 2008 PLD) کے مقدمات کا حوالہ دیا گیا۔

17۔ ہم نے معزز وکلاء کے دلائل اور پیش کی گئی نظائر کا جائزہ لے لیا ہے اوپر بیان کئے گئے عبدالحق کیس کے مطابق، نگرانی دائر کرنے کا حق پنجاب شہری قانون کرایہ داری 1952 کے تحت موجود تھا، لیکن اس قانون کے ختم ہو جانے کے بعد مدعی اس حق سے محروم ہو گیا۔ ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ ٹرائل کورٹ کا وہ فیصلہ جس کے خلاف اپیل دائر نہ کی جاسکتی ہو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ جب تک کہ یہ فیصلہ تمام طے شدہ مراحل کے عبور کرنے کے بعد دیا گیا ہو۔ پاکستان بنام عوام الناس کا کیس مختلف قوانین کی اسلامائزیشن سے متعلق ہے جہاں پر کورٹ مارشل کے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق موجود نہیں تھا۔ بہر حال اس عدالت نے قرار دیا کہ نظر ثانی کا حق جو کہ کسی متاثرہ شخص کو حاصل ہو اس کو کسی صورت اپیل کے حق کے برابر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جماعت اسلامی کیس میں آئین کے آرٹیکل (3) 184 کے تحت پٹیشنز دائر کی گئیں۔ جن میں وردی والے شخص کے صدر پاکستان کا الیکشن لڑنے کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس عدالت نے پانچ میں سے چار کی اکثریت سے یہ فیصلہ دیا کہ اس سوال کو سپریم کورٹ میں نہیں اٹھایا جاسکتا کیونکہ یہ معاملہ الیکشن کمیشن کے دائر اختیار میں آتا ہے۔ مدعا علیہان نے آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی بنام فیڈریشن آف پاکستان (1 SC 2012 PLD) صفحہ 54، غلام مصطفیٰ بنام جنرل میجر (617 (CS) 2012 PLC) پر انحصار کیا، ان کیسز کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کیس سول عدالتوں سے شروع ہونے



والے مقدمات سے متعلق ہیں، ماسوائے اوپر بیان کئے گئے پاکستان بنام عوام الناس کیس کے جس میں اس عدالت کے شریعت اپیلٹ بینچ نے قوانین کی اسلامائزیشن کا عمل شروع کیا، ان کیسز میں آئین کے آرٹیکلز 199 اور (3) 184 کے تحت شروع ہونے والے کیسز میں اپیل کے حق کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔

بہر حال کچھ مقدمات میں آرٹیکل 199 کے تحت دائر کی گئی آئینی پٹیشنز میں، انٹرا کورٹ اپیل کا حق، قانونی ریفاہر آرڈیننس 1972 کی سیکشن 3 کے تحت اس میں لگائی گئی پابندیوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ کسی بھی قانونی عدالت کے فیصلے پر نظر ثانی کا حق، اپیل کے حق کی طرح ایک حق ہے اور یہ صرف ایک ضابطے کی بات نہیں ہے۔ نظر ثانی کا حق اس وقت تک موجود نہیں ہو سکتا جب تک کہ قانون خاص طور پر یہ حق نہ دے۔ دیکھئے حسین بخش بنام سٹیٹمنٹ کمیشنر (PLD 1970 SC 1)۔ جہاں تک سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا تعلق جو یہ عدالت اپنے ابتدائی دائر سماعت زیر آرٹیکل (3) 184 کے تحت سناتی ہے، اس فیصلے کے خلاف متاثرہ فریق آئین کے آرٹیکل 188 کے تحت نظر ثانی کی استدعا کر سکتا ہے، لیکن آئین بنانے والوں نے اپنی حکمت کے تحت اپیل کا حق اس فیصلے کے خلاف نہیں دیا۔ یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ مقننہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کو ریاست کے رائج قانون کا پوری طرح علم ہے لہذا اس سے بہتر کسی بھی شے کی آئین اور قانون کے تحت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مدعا علیہان کے وکیل کی طرف سے پیش کی گئیں نظائر قانون شاید ہی ان کے مدعا کی تائید کرتی ہیں۔ لہذا اس مدعا کو بے بنیاد گردانتے ہوئے رد کیا جاتا ہے۔

18۔ حامد خان اور دیگر وکلاء جنہوں نے سپیکر کے اوپر بیان کئے گئے فیصلے کے بعد پٹیشنز دائر کیں یہ دلیل بھی دی کہ سات ممبران پر مشتمل بینچ کے 26-04-2012 کے فیصلے کے بعد سپیکر اس بات کی پابند تھیں کہ وہ معاملے کو الیکشن کمیشن کو بھجوا دیتیں تاکہ مدعا علیہ کا نااہلی کا نوٹی فیکیشن جاری کیا جاتا۔ مزید یہ کہ سپیکر قانونی طور پر اس معاملے پر فیصلہ کرنے کی مجاز نہ تھیں جب کہ اس معاملے پر اس ملک اعلیٰ ترین عدالت اپنا فیصلہ دے چکی تھی، نہ ہی وہ اس بات کی مجاز تھیں کہ وہ انصاف کی فراہمی کے عمل میں رکاوٹ بنیں اور اس ذریعے سے عدلیہ کی آزادی کے اصول اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کریں۔ جبکہ دوسری طرف جناب اعتراز احسن سینئر وکیل سپریم کورٹ آف پاکستان، جناب عرفان قادر معزز اٹارنی جنرل برائے پاکستان اور جناب محمد منیر پراچہ کی دلیل یہ تھی کہ قانونی عدالت کے عدالتی فیصلے کے باوجود سپیکر کا یہ اختیار تھا کہ وہ مدعا علیہ کی نااہلی کے سوال پر تیس روز کے اندر اپنا غیر جانبدار فیصلہ دیں کیونکہ ان کی حیثیت ایک ڈاک خانے کی نہیں، اور خاص طور پر جب آئین کے آرٹیکل 63 ضمنی شک (2) میں آئین کی اٹھارویں ترمیم کے ذریعے تبدیلی کی گئی اور اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو اوپر بیان کی مدت کے اختتام پر یہ سمجھا جائے گا کہ یہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوا دیا گیا ہے۔ جناب اعتراز احسن کے مطابق آرٹیکل (g) (1) 63 کا اطلاق خود بخود نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ درخواست گزاران کے وکیل کی طرف سے 1962 کے آئین کے آرٹیکل (2) 104 کا حوالہ دیا گیا اور سپریم کورٹ کے فیصلے، اے کے فضل قادر چوہدری بنام

شاہ نواز (PLD 1966 SC 105) کا جو حوالہ دیا گیا ہے ان کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ آئین کے اس آرٹیکل اور آرٹیکل (2) 63 میں مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں خاص طور پر بعد میں بیان کیا گیا آرٹیکل حالیہ تبدیلی کی بدولت کافی مختلف ہو چکا ہے۔

19۔ فاضل اٹارنی جنرل نے بیان کیا کہ سات رکنی بینچ جس نے مسئول الیہ کو توہین عدالت کا جرم وارٹھرایا اور سزا سنائی دی نے آئین کے آرٹیکل (g) (1) 63 کے ممکنہ نتائج کو بروئے کار لاتے ہوئے باوجود اس کے قانونی پوزیشن کے کہ سپریم کورٹ سپیکر قومی اسمبلی کے یا الیکشن کمیشن کے فیصلہ جات میں کوئی کردار نہیں رکھتی نے اپنے اختیار سماعت سے تجاوز کیا۔ فاضل اٹارنی جنرل کے مطابق مسئول علیہ کی نااہلی سات رکنی بینچ کے سامنے معاملہ نہ تھا۔ بلکہ وہ معاملہ صرف یہ تھا کہ آیا کہ وزیراعظم نے سپریم کورٹ کے حکم کی پیروی میں سوئس حکام کو خط نہ لکھ کر کوئی توہین عدالت کی ہے یا کہ نہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ بیان کرنے کی حد تک اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ کسی حکم کی عدولی ہوئی ہے تو بھی آرٹیکل (g) (i) 63 کے تحت دی جانے والی سزا بالواسطہ ہونی چاہیے نہ کہ بلا واسطہ کیونکہ قانون کے مطابق بالواسطہ یا بلا واسطہ نتائج کا زیر غور آنا ضروری ہے۔ فاضل اٹارنی جنرل کے مطابق مسئول علیہ کو دی جانے والی سزا آرٹیکل (g) (i) 63 میں متذکرہ عدلیہ کی تضحیک یا بدنامی سے متعلقہ نہ ہے۔ بلکہ یہ کسی خط کو نہ لکھنے کی سزا ہے۔ جس کو عدلیہ کی بدنامی یا تضحیک سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مسئول علیہ کے خلاف سات رکنی بینچ نے عدلیہ کی تضحیک کی کوئی فرد جرم عائد کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ آرٹیکل (g) (i) 63 میں بیان کردہ نااہلی کو ثابت کرنے کے لئے کسی مثبت عمل کا ہونا ضروری ہے۔ متذکرہ بالا پیرا گراف میں بیان کردہ عدلیہ کی تضحیک کسی ایسے عمل سے نہیں ہوتی جو بھول چوک سے ہو۔

20۔ فاضل وکیل جناب محمد منیر پراچہ نے اپنے دلائل وضاحت سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ سزا ہو بھی چکی ہو سپیکر کو پھر بھی دو معاملات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ پہلا یہ کہ اسے اس سوال کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کیا عدالت کو اختیار سماعت تھا۔ جو کہ یہاں مقدمہ نہ ہے اور دوسرا یہ کہ کون سے جرم کا ارتکاب ہوا ہے کیونکہ جرم کی سزا کسی رکن کو پارلیمنٹ کی رکنیت سے نااہل کرنا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ مقدمہ میں سپیکر کی ذمہ داری تھی کہ وہ جانچ کرے آیا کہ مسئول علیہ کو عدلیہ کی آزادی یا ساکھ کے بارے میں متعصبانہ رائے پھیلانے کے بارے میں توہین عدالت کی سزا دی گئی ہے۔ یا آرٹیکل (g) (i) 63 میں متذکرہ عدلیہ کی تضحیک کی یادداشت میں سزا دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسئول علیہ کو عدالت کے کسی ایک حکم عدولی کی یادداشت میں سزا دی گئی ہے نہ کہ آرٹیکل (g) (i) 63 میں متذکرہ جرائم کی یادداشت میں انہوں نے مزید کہا کہ عدالت کے کسی حکم کی عدولی کو عدلیہ کی تضحیک یا بدنامی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اپنے دلائل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کسی شخص کو تمام قسم کی سزاؤں کی بنیاد پر نااہل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص آئین کے آرٹیکل (a) (2) 204 میں

متذکرہ بیان کردہ گالی گلوچ یا کسی بھی طرح سے عدالت کے کام میں مداخلت یا حکم عدولی یا کوئی شخص پیرا گراف C کے ایسا عمل کرنے کی وجہ سے جو کہ عدالت میں زیر التوا کسی معاملہ کو کسی بھی طرح سے اثر انداز ہو، سزاوار قرار پاتا ہے تو یہ آرٹیکل 63(i)(g) اور (h) میں مذکور نہیں ہے۔

21۔ ہم نے فاضل وکیل کے اٹھائے جانے والے دلائل پر غور کیا۔ یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ مقدمہ میں مسؤل علیہ کو آئین کے آرٹیکل 204(2) جس کو کہ توہین عدالت آرڈیننس کے دفعہ 3 کے ساتھ پڑھا جائے کے تحت جان بوجھ کر ڈاکٹر مبشر حسن کے مقدمہ میں فیصلہ کے پیرا گراف 178 میں بیان کردہ عدالت کی ہدایت کی جانتے بوجھتے ہوئے تضحیک کا مرتکب ہونا کے جرم میں سزا ہوئی یہ سزا عدالت کے برخاست ہونے تک تھی اور اس کو باقاعدہ طور پر اسے کاٹنا پڑا۔ مسؤل علیہ نے مذکورہ فیصلہ کے لاف کوئی اپیل دائر نہ کی اس لئے فیصلہ حتمی ہو گیا۔ جس میں بیان کردہ تمام تر نتائج بشمول مسؤل علیہ کے پارلیمنٹ کے رکن سے نااہلی، وزیراعظم کا دفتر چھوڑنے کی سزا شامل ہے۔ اگر ہم مختصر حکم نامہ مورخہ 26 اپریل 2012 پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 63(i)(g) میں مذکورہ مسؤل علیہ کی سزا کے طور پر نااہلی کو عدالت نے اس کے خلاف دی جانے والی سزا میں تخفیف کرنے کے طور پر لیا۔ موجودہ مقدمہ میں اعلیٰ ترین عدالت کا مسؤل علیہ کی سزا کا صادر کردہ فیصلہ میدان میں تھا اس لئے سیکر کو نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے طور پر یہ اقدام کرے کہ آیا کہ مسؤل علیہ کی نااہلی کا معاملہ اٹھایا گیا ہے۔ آئین کا آرٹیکل 63(i)(g) جو کہ اپنے عمل درآمد کے بارے میں وضاحت کرتا ہے۔ کہ جیسے ہی سات رکنی بینچ کے مورخہ 26 اپریل 2012 بوقت صبح 9:30 نے مسؤل علیہ کے خلاف فیصلہ سنایا تو وہ قومی اسمبلی کی رکنیت اور ملک کے وزیراعظم کے عہدہ سے نااہل قرار پایا۔

22۔ جہاں تک سزا کی نوعیت کا تعلق ہے جو ایک رکن پارلیمنٹ کی نااہلیت پر منتج ہوتی ہے، درخواست دہندگان کے فاضل وکیل نے بالکل صحیح نقطہ اٹھایا کہ اس معاملے پر سات رکنی بینچ نے کافی حد تک وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جیسا کہ اس مقدمہ میں فاضل بینچ نے مدعا علیہ کو سزا دی ہے کہ اس نے جان بوجھ کر اس عدالت کے فیصلہ ڈاکٹر مبشر حسن کے کیس میں پیرا 178 کی نافرمانی کی، اس کو نہ مانا اور ہوا میں اڑا دیا یہ جانتے ہوئے کہ جو توہین اس نے کی ہے وہ لازماً انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے اور نہ صرف عدالت عظمیٰ بلکہ ملک کی عدلیہ کو مذاق بنایا۔ سات رکنی بینچ نے اپنے فیصلہ 24/6/2012 کے پیرا 70 میں واضح طور پر اس بات کا تعین کیا ہے کہ عدالت نے توہین عدالت ہونے پر دفعہ 18(1) کے تحت اس بات کا تعین کرنا ہوتا ہے کہ توہین کی نوعیت کیا ہے اور یہ اطمینان نہ تو جرم کا حصہ ہے اور نہ ایسی حقیقت جس کو ثابت کرنے کے لیے شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی مزید طے کیا گیا کہ یہ اطمینان کرنا متعلقہ عدالت کی صوابدید پر ہے کہ کس قسم کی توہین سرزد ہوئی ہے، یہ انصاف کے انتظام کے لیے کتنی نقصان دہ ہے یا یہ کہ عدالت کا سکیڈل بنانا یا عدالت

یا ایک جج کو نفرت اور مذاق کے قابل بنانا اور اس حد تک اثرات کا اطمینان جن کی عدالتی طریقے سے ہر ممکن تشخیص کی گئی ہو اس کے لیے سماعت کے دوران ثبوت اور شواہد کی ضرورت نہیں۔ لہذا ان عدالتی امور کی نشاندہی کے تحت، سپیکر کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ مدعا علیہ کی نااہلیت بارے کوئی فیصلہ کرتی، کہ ایسا کچھ ہوا ہے، اور آئین کی دفعہ (2) 63 کی بجا آوری میں اس نے فیصلے پر عملدرآمد کے لیے معاملہ صرف الیکشن کمیشن کو بھجوانا تھا۔

23۔ آئینی انتظام کے نظام میں، بنیادی حقوق کی ضمانت دی جاتی ہے، عدلیہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قانون کی تشریح اور نفاذ کرے ان معاملات میں جو حکومتوں کے درمیان ہوں اور ریاست اور شہریوں یا شہریوں کے ہی متعلق ہوں ان کی سماعت کرے اور ساتھ ہی ساتھ بنیادی حقوق کا بھی نفاذ کرے۔ آئین پاکستان میں عدلیہ کی آزادی کے متعلق خاص اور واضح احکامات موجود ہیں۔ تمہید اور آرٹیکل 2 A میں واضح کیا گیا ہے کہ "عدلیہ کی آزادی کی مکمل حفاظت کی جائے گی" اور اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آرٹیکل 175 میں بیان کیا گیا ہے کہ "عدلیہ کو انتظامیہ سے بدرجہ الگ کیا جائے گا" طاقت کی تکون کے اصول کے مطابق جس پر آئین کی بنیاد رکھی گئی ہے اس میں ریاست کے تین ستونوں کی وضاحت کی گئی ہے جو مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہیں اور ان سب کو اپنے دائرہ کار میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اس اصول کی بجا آوری میں اس عدالت نے ہمیشہ اپنی ذمہ داریاں سختی کے ساتھ اپنے اختیارات کے اندر رہتے ہوئے ادا کی ہیں اور ریاست کے دوسرے ستونوں کو ہمیشہ محترم رکھا ہے اور ان کے اختیارات / دائرہ کار میں مداخلت نہ کرتے ہوئے۔ الجہاد ٹرسٹ بنام سرکار پاکستان (PLD 1996 SC 324) میں اس عدالت نے یوں قرار دیا ہے:-

"لوگوں کو یہ بار آور کرایا گیا کہ وہ آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں آزادی کے صلہ میں ان کو کیا حاصل ہوگا وہ ہے جمہوریت اور ان کی اپنی حکومت اور ایسی جمہوریت کا تصور لوگوں، لوگوں کی اور لوگوں کے لیے حکومت ہے۔ ایسی جمہوریت کے قیام کے لیے انڈیا اور پاکستان میں آئین بنائے گئے تاکہ طاقت کی تکون تین ستونوں مقننہ انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان نظام قائم کر سکیں۔ لفظ "مشاورت" اعلیٰ عدلیہ میں ججز کی تقرری کے لیے پہلی دفعہ انڈیا اور پاکستان کے آئین میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ اس فیصلہ کے پچھلے حصہ میں تفصیلاً وضاحت کی گئی ہے کہ انڈیا اور پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ کوشش کی گئی ہے کہ عدلیہ آزادانہ کام کرے اور انتظامیہ کا اس پر کوئی اختیار نہ ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مقننہ کا کام قانون بنانا، انتظامیہ کا کام قانون پر عمل درآمد کرنا اور عدلیہ کا کام ہے کہ آئین اور قوانین کی تشریح کرنا۔ حکومت کے نظام کی کامیابی کی ضمانت اور اس کا حصول تبھی ممکن ہے جب ریاست کے یہ ستون اپنی طاقت اور اختیارات اپنے دائرہ کار میں رہ کر استعمال کریں اور توازن، باہمی مدد اور رواداری سے ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت کیے بغیر اپنے معاملات سرانجام دیں۔ جہاں تک عدلیہ

کے اختیارات کا تعلق ہے تو ہم بالکل ایسا ہی کرنے جا رہے ہیں اور ہم اپنی حدود میں آئین کی متعلقہ دفعات کی تشریح کرنے جا رہے ہیں تاکہ ان دفعات میں توازن پیدا ہو اور آئین قابل عمل بن جائے۔"

اس عدالت نے سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کیس میں ایمر جنسی اور PCO No. 1/2007 کو غیر آئینی، غیر قانونی اور سرے سے غلط قرار دیا اور تمام صدارتی حکمنامے جو 3 نومبر 2007 کو لاگو تھے اور ساتھ ہی ساتھ وہ صدارتی حکمنامے جو 3 نومبر تا 15 دسمبر 2007 تک جاری کیے گئے اُن کے جواز کو ختم کر دیا گیا۔ تاہم اس عدالت نے تمام صدارتی حکمنامے بشمول National Reconciliation Ordinance 2007 پارلیمنٹ کو بھیجے تاکہ اُن کے جواز کا تعین کرے یا کوئی دوسرا ضروری عمل کرے۔ عدالت کے اس عمل سے وہ احترام واضح ہوتا ہے جو وہ مقننہ کے لیے رکھتی ہے کیونکہ عدالت نے ان صدارتی حکمناموں کی تقدیر کا فیصلہ خود کرنے کی بجائے پارلیمنٹ اور متعلقہ صوبائی اسمبلیوں پر یہ عمل سونپ دیا تھا۔ اسی طرح جج انتظام خرد برد کیس 2010- (PLD 2011 SC 963) میں یہ طے کیا گیا کہ اگر کوئی کام یا فیصلہ جس کے متعلق بات کی جا رہی ہے وہ غلط ہو یا ایسا ہوا کہ کوئی اہم ذمہ دار فرد جس کو مناسب طریقے سے اطلاع دی گئی ہو یا غلط طریقے سے ادا کیا گیا یا غیر متعلقہ کسی بیرونی عمل کے نتیجے میں سرزد ہوا تو عدالت اس میں مداخلت کا حق رکھتی ہے۔ اسی فیصلہ میں اُس وقت کے سیکریٹری اسٹیمبلشمنٹ جناب سہیل احمد کو OSD بنانے کے نوٹیفیکیشن کے بارے قرار دیا گیا کہ اس کی قانون کی نظر میں کوئی حیثیت نہ ہے۔ تاہم یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ مجاز اتھارٹی حق بجانب ہے کہ وہ یا تو اُسے سیکریٹری اسٹیمبلشمنٹ کے طور پر تعینات کرے یا اُس کو اس کے رتبہ، کارکردگی، قابلیت اور کام وغیرہ کی بنیاد پر کوئی اور ذمہ داری سونپ دے۔ ایسے ہی طارق عزیز الدین (2010 SCMR 1301) کیس کا اختتامیہ کرتے ہوئے کہ سرکاری افسران گریڈ 21 سے 22 کی ترقیاں کرنے کے صوابدیدی اختیار کا منصفانہ استعمال نہیں کیا گیا تو عدالت نے بجائے گورنمنٹ کو ہدایات جاری کرنے کے کہ درخواست دہندگان کو ترقی دی جائے، عدالت نے مجاز اتھارٹی کو مخصوص ہدایات کے ساتھ معاملہ واپس بھیج دیا۔ از خود نوٹس کیس نمبر 5/2010 (LNG کیس) (PLD 2010 SC 731) جس میں آئین کے آرٹیکل (3) 84 کے تحت 25 ارب روپے خرد برد کے متعلق نامور صحافی رؤف کلاسرہ کی رپورٹ پر کارروائی شروع کی گئی تو معاملہ حکومت کی متعلقہ اتھارٹیز کو مزید کارروائی کے لیے واپس بھیج دیا۔ ایسے ہی پاکستان سٹیل ملز کی نجکاری کیس میں جو بطور وطن پارٹی بنام وفاق پاکستان (PLD 2006 SC 697)، اقبال حیدر بنام کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (PLD 2006 SC 394)، اور Human Right Case No. 4668 of 2006، کے معاملے میں اور S.M.C. No. 13/2009 ملٹی پروفیشنل ہاؤسنگ سوسائٹی کے متعلق (PLD 2011 SC 619) میں عدالت نے وفاقی حکومت کو ہدایات جاری کرنے کی بجائے معاملہ انتظامی اتھارٹیز کے سپرد کر دیا تاکہ فیصلہ میں کیے گئے مشاہدات کی روشنی میں قانون کے مطابق مناسب اقدامات کیے جائیں۔ جہاں تک اس عدالت کا تعلق ہے تو اختلاف رائے کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عدالت نے

ہمیشہ طاقت کی تکون کے اصول کی پیروی کی ہے۔ عدلیہ نے ریاست کے دوسرے ستونوں پر برتری کا کبھی دعویٰ نہیں کیا ہے اور ہمیشہ اپنی ذمہ داریاں آئین کے تحت اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بشمول بنیادی حقوق کے نفاذ کی ضمانت دیتے ہوئے، ادا کی ہیں۔ عدالتیں آئین اور قانون سے اپنی طاقت اور اختیارات حاصل کرتی ہیں اور جو فیصلے عدالتیں کرتی ہیں اُن میں تبدیلی، نظر ثانی اور انکی تفصیلی جانچ پڑتال عدالتی درجہ بندی کی حدود میں آئین کے تحت مہیا کردہ اختیارات کے مطابق ہو سکتی ہے۔ تاہم حیران کن بات ہے جیسا کہ درخواست دہندگان نے دلائل دیے کہ سپیکر قومی اسمبلی نے اپنی رولنگ بتاریخ 24/5/2012 میں، 7 رکنی بنچ کے فیصلے کو جو انہوں نے آئین کے آرٹیکل (2) 175 کے تحت حاصل کردہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے دیا، اُسکو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

24. جناب حامد خان، سنیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

a. چونکہ اس عدالت کے حکم مورخہ 26.04.2012 کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی گئی تھی، چنانچہ اس فیصلے کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا سوائے آئین اور قانونی طریقہ کار کے تحت۔

b. سپیکر نے 24.05.2012 کو اپنی رولنگ میں وہ عدالتی اختیارات استعمال کرنے کی کوشش کی جو اُن کو آئین اور قانون میں حاصل نہیں تھے۔ چنانچہ اُن کو عدالتی فیصلے پر فوقیت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اُسے اپیل بنا کر فیصلہ کرے

دوسری طرف اعتراف احسن، سنیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے مطابق آئین پاکستان سپیکر کو یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ کسی آئینی فریضے کو سرانجام دے یا اس طرح کے معاملے میں اُس کو فیصلے کا اختیار قطع ہے۔ لہذا اُنکی رولنگ بھی آئین اور قانون نیز 7 ججوں کے فیصلے کے دائرہ کار کے اندر ہے۔

25. یہ بات قابلِ مشاہدہ ہے کہ توہین عدالت آرڈیننس کاسیکشن (iii) 19(i) یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی فیصلہ سپریم کورٹ کے سنگل جج یا دو ججوں پر مشتمل بنچ نے کیا ہو تو Intra Court Appeal اُس بنچ میں لگے گی جو تین ججوں پر مشتمل ہو اور اگر اصل فیصلہ تین یا اس سے زیادہ ججوں نے کیا ہو تو Intra Court Appeal پانچ یا اُس سے زیادہ ججوں پر مشتمل بنچ میں سنی جائیگی۔ جیسا کہ موجودہ مقدمے میں یہ فیصلہ سات ججوں پر مشتمل بنچ نے کیا تھا۔ چنانچہ اپیل 8 یا اُس سے زیادہ ججوں پر مشتمل بنچ میں سنی جانی تھی۔ حوالے کے طور پر عبد الحمید ڈوگر، سابقہ جج بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD 2011 SC 315) کا کیس ہے۔ اس میں اصل فیصلہ چار ججوں پر مشتمل بنچ نے دیا تھا جس میں فرد جرم لگانے کیلئے لگایا گیا تھا۔ اس عدالتی فیصلے کے خلاف Intra Court Appeal کی گئی وہ سات ججوں پر مشتمل بنچ نے سنی۔ اس طرح سید

یوسف رضا گیلانی، وزیراعظم پاکستان بنام اسٹنٹ رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان (2012 SCMR 422) مقدمہ میں اصل فیصلہ اس عدالت کی سات رکنی بینچ نے کیا تھا۔ اور اس فیصلے کے خلاف جو Intra Court Appeal آرڈیننس کے سیکشن 19 کے تحت کی جاتی تو آٹھ ججوں پر مشتمل لارجر بینچ نے سماعت اور فیصلہ کرنا تھا۔ جسٹس حسنا احمد خان بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD 2011 SC 680) کے مقدمے میں Intra Court Appeal چھ ججوں پر مشتمل معزز ججوں کے بینچ نے سنی، جو کے چار معزز ججوں کے فیصلے کے خلاف کی گئی تھی۔

26. یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سید یوسف رضا گیلانی نے اپنی سزا/قید کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی۔ لہذا اسپیکر کو کوئی قانونی اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ 26.04.2012 کے عدالتی فیصلے کو اس بنیاد پر نظر انداز کرتیں کہ ان کی رائے میں عدلیہ کی آزادی کے خلاف یا عدلیہ کی تضحیک کرنے سے متعلق کوئی الزام عائد نہ کیا گیا۔ جیسا کہ آئین کے دفعہ (g)(1) 63 میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اسپیکر نے عدالتی توہین کے مقدمے کے فیصلے میں مداخلت کرتے ہوئے اپنے دائرہ کار سے تجاوز کیا۔ جس کا اختیار ان کو آئین کے کسی متعلقہ شق میں حاصل نہیں ہے۔

27. جہاں تک سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا لازماً اثر انداز ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں آئین کے Article 189 کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ جس کے مطابق سپریم کورٹ کا فیصلہ تمام دوسری عدالتوں پر لاگو ہے۔ لہذا، عدالتی فیصلے کو نہ ماننا، غیر پاسداری اور غیر اطاعت پزیری انصاف کے نفاذ کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور عدلیہ کی تضحیک کے زمرے میں آتا ہے (Crl.O.P. No.6/2012 in S.M. Case No.4 of 2010)

28. اس بات کا جائزہ لیا جانا چاہئے اسپیکر کے کردار کا تعین کرنے سے پہلے، عدالت ہذا کے سات رکنی بینچ نے، جو کہ عدالتی نظام کے سب سے اعلیٰ فورم کے جج ہیں۔ توہین عدالت کے مقدمے کا فیصلہ کیا جو کہ ان کے سامنے ان کے دائر اختیار کے تحت لایا گیا یہ فیصلہ فائل ہو چکا ہے کیونکہ قانون کے تحت اس فیصلہ کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی گئی۔

29. جیسا کہ اوپر دیکھا گیا کہ رولنگ مورخہ 24-05-2012 کے مندرجات کے مطابق اسپیکر کو اس بات کا علم تھا کہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے مختصر حکم مورخہ 26-04-2012 اور بعد ازاں تفصیلی حکم جو کہ مورخہ 08-05-2012 کو جاری ہوا کی رو سے وزیراعظم پاکستان کو دفعہ 5 توہین عدالت آرڈیننس (آرڈیننس v) 2003 کے تحت عدالت کے اٹھنے تک کی سزا دی۔ سزا پنی الفور عملدرآمد کیا گیا۔ اسپیکر نے یہ بھی تحریر کی کہ دونوں حکم اس کو پہنچائے گئے اور اس نے تسلیم کیا

کہ اس نے ان فیصلوں کو پڑھا بھی تھا۔ تاہم، رسپانڈنٹ کی نااہلی سے متعلق سوال کا فیصلہ کرنے سے پہلے، اس نے آئین کی متعلق دفعہ یعنی آرٹیکل 63(2) کو تحریر کیا اور درج ذیل فیصلہ جات کو بھی تحریر کیا۔

(i) کنور انتظار محمد خان بنام فیڈریشن آف پاکستان (1995 MLD 1903)

(ii) آیت اللہ ڈاکٹر عمران لیاقت حسین بنام الیکشن کمیشن آف پاکستان (PLD 2005 SC52)

اسپیکر کی رولنگ کے مندرجات کے مطابق اول الذکر مقدمہ کے فیصلہ سے متعلق Ratio decidendi یہ ہے کہ سپیکر کو آئین کے آرٹیکل 63(2) کے تحت ریفرنس کا معائنہ کرتے وقت محض ڈاکٹرانہ تصور نہ کیا جائے۔ اگر کوئی ریفرنس اس کو دیا جاتا ہے تو وہ اس کو فیصلہ کرنے کیلئے چیف الیکشن کمیشن کو بھیجنے کا پابند نہیں ہے۔ اسپیکر کو اس معاملہ سے متعلق تمام متعلقہ دفعات کا جائزہ لینے کے بعد اپنا ذہن عدالتی انداز میں استعمال کرنا چاہئے اور پھر فیصلہ کرنا چاہئے کہ آیا کہ کوئی سوال نااہلی کا پیدا ہوتا ہے جس سے چیف الیکشن کمیشن کو ریفرنس بھیجنے کا جواز ہے۔ جہاں تک اس فیصلے میں لاہور ہائیکورٹ کے تین فاضل جج صاحبان کے مشاہدے کا تعلق ہے تو موجودہ مقدمہ کے حقائق سے متعلق نہ ہے۔ جیسا کہ رپورٹیڈ فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی عدالت نے کوئی فاضل فیصلہ نہ دیا ہے جس میں کسی پارلیمنٹیرین کو توہین عدالت کا قصور وار قرار دیا گیا ہو۔ مندرجہ بالا مقدمہ میں درخواست دہندگان کنور انتظار محمد خان ایڈووکیٹ اور عوام الناس نے اپنی درخواست منورخہ 15-09-1995 بنام سپیکر نیشنل اسمبلی میں محترمہ بینظیر بھٹو پر کچھ الزامات عائد کئے تھے درخواست دہندگان کے مطابق وزیر اعظم پاکستان مجلس شوریٰ کی رکن بننے سے نااہل ہو چکی ہیں، ان الزامات کی بنیاد پر جن کو فیصلہ میں تحریر کیا گیا ہے، دوسرے مقدمہ کے حقائق یہ تھے کہ سندھ ہائیکورٹ کراچی میں ایک درخواست آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت داخل کی گئی اس التجا کے ساتھ (Not properly worded) کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان امیدواروں کے nomination papers کو مسترد کرے جو کہ بانی پاکستان کے اعلیٰ سے مخلص نہیں اور پاکستان سے حقیقی طور پر وفادار اور پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری سے مخلص نہیں، خاص طور پر ایم کیو ایم کے امیدوار اور ایسے امیدوار جو ایم کیو ایم کا ٹکٹ رکھتے ہیں، ان کو انتخابات منورخہ 10-10-2002 میں حصہ لینے سے سختی سے روکا جائے۔ اور اس درخواست کے فیصلہ تک ان کی انتخابی مہم کو روکا جائے۔ اس آئینی درخواست کو مسترد کر دیا گیا اور عدالت نے مشاہدہ کیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایم کیو ایم کے خلاف عائد کردہ الزامات بہت سنجیدہ ہیں لیکن ان الزامات کی سچائی کا اندازہ محض اخباری تراشوں اور مختلف مواقع پر کی گئی تقاریر سے نہیں لگایا جاسکتا اس لئے آئین کے آرٹیکل 63(2) کو زیر نظر لاتے ہوئے یہ مشاہدہ کیا گیا۔

”6۔ اس طرح کے معاملات میں ہم آرٹیکل 63 کی دفعات کو ملحوظ رکھتے ہیں جو کہ بمشکل درخواست دہندگان کے مقدمہ کو کوئی امداد فراہم کرتا ہے۔ اور پارلیمنٹ کے کسی رکن کو منتخب ہونے کے بعد نااہلی کی بنیاد پر پارلیمنٹ سے نکالنے کا طریقہ



کارفرما کرتا ہے اسپیکر قومی اسمبلی، چیئر مین سینٹ جیسی بھی صورت ہو الیکشن کمیشن کو ایک ریفرنس اس سوال کے تصفیہ کیلئے بھیج سکتی ہے کہ آیا ایک رکن جو کہ نااہل ہو چکا ہے، وہ دفتر میں بیٹھنے کے قابل ہے کہ نہیں۔ جب کسی ممبر کی نااہلی سے متعلق کوئی سوال اسپیکر کے توجہ میں لایا جاتا ہے تو وہ اپنا ذہن استعمال کرے گا کہ آیا آرٹیکل (2) 63 کے تحت کوئی سوال پیدا ہوتا ہے یا نہیں، مثال کے طور پر اگر ایسی اطلاع جس پر کہ اس کو ریفرنس بھیجنا چاہئے تھا اور یہ پایا جاتا ہے کہ یہ اطلاع آئین کے آرٹیکل 63 کی دفعہ (i) کی ذیلی دفعات a سے e میں دی گئی وجوہات سے متعلقہ نہ ہے تو وہ ریفرنس بھیجنے سے انکار کرنے کا مجاز ہے، تاہم، اس کا کردار آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت واضح طور پر بہت محدود نوعیت کا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا ذہن اس نقطہ پر کہ آیا کوئی سوال اٹھتا ہے یا نہیں بہت محدود حد تک استعمال کرے گا۔ اصل میں کسی مخصوص مقدمہ میں اس کو اعلیٰ عدالت یہ ہدایت دے گی کہ وہ ریفرنس بھیجے جہاں پہ اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا ہوا اگر کوئی درخواست اس مقصد کیلئے لائی جاتی ہے۔ غلام محمد مصطفیٰ کھر بنام چیف الیکشن کمیشن آف پاکستان وغیرہ۔ (PLD 1969 Lah 602)

7۔ یہ عدالت آئین کے آرٹیکل 63 کے تحت کسی بھی قومی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی اسمبلی کے رکن کو نااہل قرار دے سکتی ہے، مدعی کی اس دلیل میں ٹھوس پن نہیں ہے۔ یہ معنی خیز ہے کہ اگر کوئی سوال ابھرتا ہے کہ آرٹیکل (a) (1) 63 اور آرٹیکل 113 کے تحت آیا کہ کسی مخصوص شخص کو نااہل قرار دیا جائے، اسپیکر اور سینٹ کے چیئر مین چیف الیکشن کمیشن کا دائرہ کار اس معاملے میں منفرد ہوگا، اس لئے مؤخر الذکر کی رائے میں کہ رکن نااہل قرار دیا جا چکا ہے اور وہ اسمبلی کا رکن نہیں رہے گا۔ صدر بنام بینظیر بھٹو (PLD 1991 Kar . 164) محمد عبدالحق بنام فضل قادر چوہدری (PLD 1963 Dacca 669)۔

اسپیکر نے اس حکم میں جاوید ہاشمی اور ڈاکٹر عمران حسین کے مقدمات پر انحصار رکھا ان میں پہلا مقدمہ ایک مختلف بنیاد پر چلا لہذا موجودہ مقدمہ کے حالات و واقعات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان میں بعد والا مقدمہ بھی اس دعویٰ سے مطابقت نہیں رکھتا جو اسپیکر نے اپنی رولنگ میں ماسوائے اس کے کہ یہ طے کیا گیا کہ جب اسپیکر کے سامنے کسی رکن اسمبلی کی نااہلی کا معاملہ ہو اس کو یہ جاننے کیلئے اپنا دماغ استعمال کرنا چاہئے کہ آیا وہ معلومات جن کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو فیصلہ کرنا ہے وہ آئین کے آرٹیکل 63 کی شق (1) کے پیرا گراف (a) to (e) یا (i) جو کہ نااہلی سے متعلق ہیں اس کا تعلق ہے بھی یا نہیں اور یہ کہ آرٹیکل 63 شق (2) کے تحت استعمال کردہ اختیارات کا دائرہ کار نہایت محدود ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اسپیکر کے سامنے ایک طے شدہ معاملہ آئے جو سپریم کورٹ کی طرف سے کسی رکن اسمبلی کی سزا سے متعلق ہو تو وہ ریفرنس دینے کا پابند ہے بجائے اس کے کہ وہ آئین کے آرٹیکل 63 کی شق (2) کے تحت عدالتی فیصلے پر اپنے اختیارات استعمال کرے۔ اسپیکر کسی بھی عدالتی فیصلے کی جانچ کرنے کا عدالتی اختیار نہیں رکھتی۔ ملک کے سب سے اعلیٰ قانون ساز ادارے کی

محافظ کے طور پر، اسپیکر کو اس بات کا ادراک ہونا چاہئے تھا کہ اس معاملے کو ریاست کا کوئی اور ادارہ یا اتھارٹی اپنے ایڈمنسٹریٹو اور ایگزیکٹو اختیارات کے تحت اس معاملے کو دوبارہ کھول یا مداخلت نہیں کر سکتا اور اس معاملے کا اختیار سماعت صرف اور صرف مجاز عدالت کو ہے جیسا کہ توہین عدالت کے آرڈیننس 2003 کے تحت مہیا کردہ Appellate Forum ہے جس کا اس کیس میں مسئول علیہ نے استعمال نہیں کیا۔

30۔ محترم فاضل وکیل برائے مدعا علیہ جناب اعتراف احسن نے دلائل دیئے کہ ایک شخص پارلیمنٹ کے ممبر بننے سے تب ہی نا اہل ہوگا جب اسے کسی اخلاقی وجہ سے سزا سنائی جائے اور یہ سزا دو سال سے کم نہ ہو اور اسے آزاد ہوئے پانچ سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہو۔ ان کے مطابق، مدعا علیہ کو چونکہ کسی اخلاقی وجہ کی بناء پر سزا نہیں سنائی گئی اور نہ دو سال کی سزا ہوئی ہے لہذا اسپیکر اس بات میں حق بجانب تھیں کہ مدعا علیہ کی اس معاملے میں نا اہلی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں خطرہ ہے کہ یہ تمام دلائل بے بنیاد ہیں۔ آرٹیکل 63 کا پیرا گراف (g) اور (h) کی کلاز (1) دو مختلف نا اہلیوں کے متعلق ہیں۔ پہلی نا اہلی کسی بھی ایسے خیال کے پرچار کرنے یا عمل کرنے سے ہے جس سے عدالت کی سلطیت اور آزادی پر حرف آئے اور دوسری نا اہلی کسی بھی اخلاقی وجہ کی بناء پر ہے جس کی سزا دو سال سے کم نہ ہو۔ پہلے والے کیس میں توہین عدالت کی سزا سنانے کے بعد آئین کے آرٹیکل (2) 204 مع توہین عدالت آرڈیننس 2003 کے تحت سزا ہوگی۔ آرٹیکل (g) (1) 63 ایک مخصوص عمل/جرم پر سزا کے متعلق ہے لیکن اس میں سزا کی معیار کا ذکر نہیں ہے۔ بصورت دیگر آرٹیکل (h) (1) 63 دو اقسام کی نا اہلیوں کے متعلق ہے، ایک نا اہلی جو کہ کسی اخلاقی وجہ سے سنائی جائے اور دوسری سزا جو کہ دو سال سے کم نہ ہو۔ یہ دونوں نا اہلیاں بالکل آزاد اور مختلف ہیں اور ایک کو دوسری کے ساتھ نہیں پڑھا جاسکتا۔

31۔ مذکورہ بالا 24 اپریل 2012ء کے مختصر فیصلے اور اس کی وجوہات کے بغور جائزے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سزا کے بعد عدالت اس بات سے واقف تھی کہ انہیں نا اہل کر دیا جائے گا اور اس لئے مشاہدات ریکارڈ پر موجود شواہد کو مد نظر رکھتے ہوئے دیئے گئے جس کی بنیاد پر عدالت نے صحیح فیصلہ دیا کہ وہ جان بوجھ کر، مسلسل اس عدالت کے حکم سے انکار کرتے رہے اور یہ فعل انصاف کی فراہمی کے لئے انتہائی مہلک تھا اور نہ صرف اس عدالت بلکہ تمام عدلیہ کی تضحیک کے مترادف تھا۔ مدعا علیہ کے فاضل وکیل نے سپیکر کے فیصلہ کا حوالہ یہ ظاہر کرنے کے لئے دیا کہ اخلاقی گراؤٹ سے متعلقہ جرم کی فرد جرم آرٹیکل (h) (1) 63 کے تحت فریم نہیں کیا گیا لیکن فاضل وکیل اور سپیکر یہ غور کرنے میں ناکام رہے کہ فرد جرم میں آئین کی شق (2) 204 اور توہین عدالت آرڈیننس کی دفعات چارج میں شامل ہیں۔ معاملے کا یہ پہلو تفصیل کے ساتھ فیصلہ کے زیریں پیرامیں دیا گیا ہے:-

68۔ ملزم کے خلاف حقیقی الزامات جو کہ بغیر کسی شبہ کے ثابت ہو چکے ہیں کہ بعد ہم اس کے قصور اور سزا کے

کچھ قانونی پہلوؤں کی جانب آتے ہیں اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ الزام میں ”جان بوجھ کرمزاق اڑانا“ ”بے قدری“ اور ”نافرمانی“ جیسے بنیادی الفاظ استعمال کئے گئے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نہ صرف توہین عدالت آرڈیننس (v of 2003) کے دفعہ 2(a) میں ”دیوانی توہین“ بلکہ بیان کئے گئے آئین کے دفعہ تین کے تحت بھی توہین ہوئی ہے۔ بیان کیا گیا آرڈیننس V of 2003 اپنا اختیار آئین کی شق (3) 204 سے اخذ کرتا ہے، آئین کی شق (2) 204 خود اس عدالت کو اختیار دیتی ہے کہ وہ کسی شخص کو توہین عدالت کے مرتکب ہونے پر سزا دے اور ملزم کے خلاف عائد کردہ فرد جرم میں استعمال کئے گئے الفاظ واضح طور پر آئین کی شق (2) 204 کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ضابطہ فوجداری کا دفعہ 221 جو فرد جرم اور اس کی اقسام سے متعلق ہے وضاحت کرتا ہے کہ فرد جرم میں جرم اور متعلقہ قانون میں اگر اس جرم کا کوئی نام ہے جو ملزم پر عائد کی جا رہی ہے تو تب جرم کو فرد جرم میں اسی نام سے بیان کیا جائے۔

صرف ضابطہ فوجداری کی شق 221 کے مطابق اگر قانون جو کسی جرم کی تخلیق کرتا ہے اس جرم کو کوئی مخصوص نام نہ دے تو اس کی بہتر لازماً بیان کی جائے آیا کہ ملزم کو بذریعہ نوٹس مطلع کرنا جو کہ اس پر الزام لگایا گیا ہو۔ شق 221 ضابطہ فوجداری میں مزید بتایا گیا ہے کہ چارج شیٹ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کو کس قانون کے تحت سزا دی جائے۔ اس کیس میں نہ صرف جرم کا نام جیسا کہ توہین عدالت بتایا گیا ہے۔ چارج شیٹ میں ملزم کے خلاف بلکہ آئینی اور قانونی دفعات جو کہ توہین عدالت کی تشریح کرتی ہیں۔ ان کا ذکر بھی فرد جرم میں کیا گیا ہے۔ ضابطہ فوجداری کی شق (5) 221 کے تحت اوپر تحریر کیا گیا الزام اس بیان کے مساوی ہے کہ کسی بھی مخصوص کیس میں لگانے کے الزام کو مرتب کرتے ہوئے تمام قانونی پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے۔

اس موقع پر سات رکنی بینچ کا مختصر فیصلہ جو کہ 26 اپریل 2012ء کو دیا گیا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جسے یوں پڑھا جائے۔ وجوہات جو بعد میں لکھی جائیں گی۔ ملزم سید یوسف رضا گیلانی، وزیراعظم پاکستان/چیف ایگزیکٹو فیڈریشن توہین عدالت کے مرتکب پائے گئے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین 1973ء کے آرٹیکل (2) 204 کے تحت جسکو بمعہ شق 3 توہین عدالت آرڈیننس (Ordinance V of 2003) جان بوجھ کر عدالتی حکم کی تضحیک اور نافرمانی کی جو کہ کریمینل اور بجنل پٹیشن نمبر 06 آف 2012 میں موجود ڈاکٹر مبشر حسن بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD 2010 SC 265) کے پیرا گراف 178 میں ہے۔ اس عدالت کی تسلی کے بعد جو ملزم نے توہین عدالت کی وہ انصاف کی فراہمی کیلئے سخت نقصان دہ ہے اور اس عدالت، عدلیہ اور ملک کیلئے باعث تضحیک ہے۔

اس حوالے سے ملزم کے خلاف جو سزا سنائی جائے گی۔ ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا اور توہین عدالت کا جرم جو اوپر بیان کیا گیا ہے، آئین کی شق (9)(1)63 کے تحت اس کے خطرناک عوامل ہیں۔ اس کے خلاف دی گئی سزا کے عوامل کی شدت کو کم کیا جاسکے۔ اس لیے ان کو توہین عدالت کے آرڈیننس (Ordinance V of 2003) کے تحت آج عدالت کی برخاستگی تک سزا دی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حکم کا پیرا 2 واضح طور پر نااہلیت کو ظاہر کرتا ہے جو کہ آرٹیکل (9)(1)63 کے تحت بھی سامنے لایا گیا ہے۔ اور نہ تو جناب اعتراز احسن کے اوپر بیان کیے گئے پیرا گراف (H) نااہلیت کا ذکر ہے۔  
فاضل کونسل کا درخواست کا رآمد نہ ہے۔ یہ خارج کی جاتی ہے۔

32۔ مسٹر منیر پراچہ، محترم ای، ایس، سی برائے وفاق نے بحث کیا کہ سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار آئین کے آرٹیکل (1)69 کی تحت محدود ہے کیونکہ اسپیکر پارلیمنٹ کی رکن ہے۔ لہذا 25 مئی 2012ء کی رولنگ اندرونی کارروائی کے زمرے میں آتی ہے اور کورٹ کو اس میں مداخلت کا کوئی اختیار نہیں۔ اس نے ایک اور Plea لی کہ اگر کہ کورٹ اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ پٹیشن قابل سماعت ہے اور اسپیکر کی رولنگ کو کورٹ کے فیصلے سے بدل نہیں جاسکتا ماسوائے مسئلے کو واپس اسپیکر کو دوبارہ فیصلے کے لئے بھیجا جائے اور 30 دن کی ٹائم والی شرط لاگو نہیں ہوتی۔ اس اشو پر اٹارنی جنرل نے بحث کیا کہ اس کورٹ کو پارلیمنٹ کے رکن کی نااہلی کے مسئلے میں کوئی اختیار حاصل نہیں، جو یا تو اسپیکر قومی اسمبلی یا آخر کار الیکشن کمیشن کو فیصلہ کرنا ہے اور اسپیکر قومی اسمبلی سپریم کورٹ کے فیصلے کی پابند نہیں ہے۔

33۔ مسٹر اعتراز احسن معزز Sr.ASC کو بلایا گیا کہ وہ اسپیکر کی آئین کے آرٹیکل (2)63 کے تحت کارروائی کے حوالہ سے کورٹ کو مطمئن کرے کہ کیا یہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ اسپیکر کی رولنگ کو جانچ پڑتال کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ آئین نے خود ہی اسپیکر کو بااختیار کیا کہ پارلیمنٹ کی رکن کی نااہلی کے سوال کو حل کرنے کے لئے۔ لہذا اسپیکر کا فیصلہ قانونی (sui generis) اور adjudicatory قسم کا ہے۔ معزز وکیل کے مطابق اسپیکر کے رولنگ خصوصاً اس کورٹ کے ساتھ رکنی بیج کے دائرے میں ہی ہے۔ جس میں سزا کے مد نظر رکھتے ہوئے مدعا علیہ کی ممکنہ نااہلی کی طرف صرف اشارہ دیا گیا تھا اور نتیجتاً اس کا حتمی تصور کیا۔ محترم حامد خان نے مخالفت میں بحث کیا کہ آرٹیکل (2)63 کے تحت اسپیکر پہ ڈیوٹی عائد ہوتی کہ نااہلی کے سوال کو 30 دن کے اندر حل کرے اور اسپیکر کا کردار ان مسائل میں بہت ہی محدود ہے۔ اس نے Ayatullah Dr. Imran Liaquat Hussain v, Election Commission of Pakistan (PLD 2005 SC 52) پیش کیا۔

34۔ آئین کے آرٹیکل 69 کی شق (1) یہ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کی کارروائی کے جواز کو طریقہ کار کی بے غلطگی کا سوال نہیں اٹھایا جاسکتا جبکہ اسی کی شق (2) یہ کہتی ہے کہ کوئی آفیسر یا پارلیمنٹ کا رکن جس پر آئین یا آئین کے تحت طریقہ کار کو غلط سے چلانا یا کاروبار کا انعقاد یا پارلیمنٹ میں آرڈر برقرار رکھنے کا اختیار ہے اُسے کسی عدالت کے دائرہ اختیار سماعت کے تحت نہیں لایا جاسکتا جبکہ وہ یہ اختیار استعمال کر رہا ہے۔ یہ تصحیح کہ کون سے امور پارلیمنٹ کی اندرونی کارروائی میں آتے ہیں اور کون سے نہیں جو کہ عدالت ہائے اختیار سماعت سے باہر ہے کہ اعلیٰ عدالتوں نے مختلف مواقع پر ماضی میں اپنا نقطہ نظر دیا ہے۔, Ferzand Ali v, Province of West Pakistan (PLD 1970 SC 98) کے مقدمے میں جمودالرحمان چیف جسٹس نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ وہ امور جو کہ کاروبار کی رسمی ٹرانزیکشن کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ان کو ہاؤس کی اندرونی کارروائی کا حصہ نہیں کہا جاسکتا۔, Muhammad Naeem Akhtar V, Speaker, Sindh Provincial Assembly (1992 CLC 2043) کے مقدمے میں ہائی کورٹ نے یہ طے کیا کہ اسپیکر کا زیر تجویز استعفیٰ منظور کرنا نہ ہی "صوبائی اسمبلی کی کوئی کارروائی" بمطابق آئین کے آرٹیکل 69 جس کو آرٹیکل 127 کے ساتھ پڑھا جائے کے زمرے میں آتا ہے۔ اور نہ ہی ایسے عمل کو اسپیکر کے کارروائی کو باغابطہ میں لانا یا اسمبلی کے کاروبار کے انعقاد کے زمرہ میں لایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسپیکر کے اسمبلی کے ممبران کے استعفیٰ کو منظور کرنے کے عمل کے خلاف آئینی درخواست قابل سماعت ہے۔ Shams-ud-Din v, Speaker, Balochistan Provincial Assembly (1994 MLD 2500) کے مقدمے میں ہائی کورٹ نے طے کیا کہ دوران سیشن اسمبلی کی کارروائی میں جو امور عمل پذیر ہوتے ہیں وہ عدالت کے اختیار سماعت کے تابع نہیں ہوتے تاہم اسپیکر کے تمام دیگر انتظامی امور بشمول ملازمان کی بھرتی عدالتی نظر ثانی سے مستثنیٰ نہیں ہونگے جب کہ اسپیکر کے عوامل بادی النظر میں موجود قواعد کے منافی ہوں یا وہ سوابدیدی اختیارات جن کے تحت اسپیکر صوبائی اسمبلی سیکرٹریٹ کے کاموں کو آسانی سے چلانے کے اختیارات کو منصفانہ طور پر استعمال نہیں کیا گیا چنانچہ ہائی کورٹ آئین کی آرٹیکل 199 کے تحت ایسے عوامل کے جواز یا بصورت دیگر کو جانچنے کی مجاز ہے۔ Mining Industries of Pakistan (Pvt.) Ltd. v, Deputy Speaker, Balochistan Provincial Assembly (PLD 2006 Quetta 36) میں بلوچستان ہائی کورٹ نے یہ حکم دیا کہ یہ سوال کہ کسی شخص کا ہاؤس کا رکن ہونے کا حق یا ہاؤس میں بیٹھے رہنے کا حق ہاؤس کی اندرونی کارروائی کے زمرے میں نہیں آتا ہے اور ایسا عمل عدالت کے آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت تحقیق کے زمرہ سے باہر نہیں ہوگا۔ Hussain v, Federation of Pakistan (PLD 2011 SC 407) Munir میں اس عدالت نے اپنے حالیہ فیصلہ میں آئین کے آرٹیکل 175A کے تحت کردہ پارلیمانی کمیٹی کے اختیارات کی بناوٹ اور وسعت اور عدالت کے عدالتی نظر ثانی کے اختیارات آرٹیکل 69 کے تناظر رکھتے ہوئے یہ طے کیا ہے کہ مذکورہ کمیٹی مقننہ

کا حصہ تصور نہیں ہوگی، مذکورہ کمیٹی کا مقصد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو پارلیمنٹ کے ساتھ کوئی نسبت ہوگی، بلکہ اس کمیٹی کا وجود آئین کے آرٹیکل 175-A سے وجود پذیر ہوتا ہے نہ کہ آئین کی ان دفعات سے جن کا تعلق مقصد یا انتظامیہ سے ہوا آئین کے تحت کمیٹی کو عدالتی جانچ پڑتال کو استغنی حاصل نہ ہے اس لئے آئین کا آرٹیکل 69 کے اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

35۔ عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہونے کے باوجود اس طرح کی حکمت عملی مقبول ہے اور اپنائی گئی ہے ہمسایہ ملک میں جیسا کہ بھارتی آئین کے دسویں شیڈول کے پیرا نمبر 7 میں فراہم کی گئی ہے۔ اعلیٰ عدالتوں نے اسپیکر کے احکامات کی حیثیت کے بارے میں فیصلے دیئے ہیں اور بہت سے موقعوں پہ اسپیکر کے احکامات کو ایک طرف رکھ دیا ہے۔ ان فیصلوں کا حوالہ لیا جاسکتا ہے جو شائع ہوئے

Ravi S. Nakik v. Union of India (AIR 1994 SC 1558), Mayawati v.

Markandeya Chand [(1998) 7 SCC 517], Jagjit Singh v. State of

Haryana (AIR 2007 SC 590), Rajendra Singh Rana v. Swami Prasad

Maurya (AIR 2007 SC 1305) and D. Sudhakar V. D.N. Jeevanraju

[Civil Appeal Nos. 4517-4521 of 2011] decided on 25 January, 2012.

اس طرح آرٹیکل 72 آئین ملائیشیا جو کہ Pari Materia ہے آرٹیکل 69 آئین ملائیشیا کے ساتھ وہ فراہم کرتا کہ کسی بھی ریاست میں قانون ساز اسمبلی میں کی گئی کارروائی کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کی جائے گی اور کسی بھی شخص کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی اس بات کے لئے کہ جو اس نے کہی ہو قانون ساز اسمبلی میں یا اسے قانون ساز اسمبلی میں حصہ لیتے ہوئے ووٹ دیا ہو یا کسی کمیٹی میں حصہ لیا ہو یا کوئی معاملہ شائع ہوا ہو ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی زیر اختیار مگر ایک حالیہ بدراختتام کیس میں اس ریاست کی عدالت عالیہ نے اسپیکر کے اس حکم کو غیر قانونی قرار دیا جس میں اس کو اسمبلی میں بیٹھنے سے روکا گیا تھا، اس کی اسمبلی میں شمولیت کو برقرار رکھا گیا۔

36۔ مندرجہ بالا قانونی کیسز سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسپیکر کے ہر فیصلہ پہ نظر ثانی کے لئے اعلیٰ عدالتوں کو اختیار حاصل ہے کیونکہ اس کی حد آئین کے آرٹیکل 69 کے تحت "اندرونی کارروائی میں نہیں آتی"۔ تاہم ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کیس میں اسپیکر کا فیصلہ جو کہ معاملے کو الیکشن کمیشن کو بھجوانے کے بارے آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت جس میں پارلیمنٹ کے کسی رکن کی نااہلی کا سوال اٹھتا ہے یا جہاں پہ اسپیکر فیصلہ دے کہ ایسا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا یہ اعلیٰ عدالتوں کے زیر اختیار آتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ 7 رکنی بینچ کے فیصلے مورخہ 26 اپریل 2012ء کے بعد اس فیصلے کی ایک کاپی اس دفتر

کی طرف سے اسپیکر کو بھجوائی گئی اور اس دوران ایک پٹیشن مولوی اقبال حیدر کی جانب سے اسپیکر کے پاس جمع کرائی گئی جس میں معاملے کو آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت الیکشن کمیشن کو بھجوانے کی استدعا کی گئی۔ بہر کیف مورخہ 24 مئی 2012ء کو جب کے ان 30 دنوں کو ختم ہونے میں ایک دن باقی تھا جس میں اسپیکر کو آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت فیصلہ دینا تھا، اس نے ایک فیصلہ دیا کہ عدالت عظمیٰ کی سزا کی روشنی میں مدعا علیہ کی نااہلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمہ طور پہ اس عدالت کا فیصلہ کورنگ خط کے ساتھ پارلیمنٹ کی اس کارروائی کا حصہ نہیں بنایا گیا ظاہری طور پر اس وجہ سے کہ آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے مطابق جب تک اسپیکر فیصلہ کرے کہ کسی رکن کی نااہلی کا سوال نہیں اٹھتا ضروری نہیں کہ معاملے کو الیکشن کمیشن بھیجا جائے۔ اس طرح کے معاملات اسپیکر قومی اسمبلی کی قواعد و ضابطہ کے قاعدہ نمبر 16 کے تحت ادا کر سکتا ہے۔ دونوں طریقے اس بات کو کثرت سے ثابت کرتے ہیں اسپیکر کو نااہلی کا معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوانا چاہیے تھا تا کہ مجلس شورہ (پارلیمنٹ) یا ہاؤس کی کسی کمیٹی کے روبرو اس بات کا مشاہدہ کیا جانا چاہیے کہ مندرجہ بالا قواعد اسمبلی کے ضوابط اٹھاویں آئینی ترمیم کے بعد ترمیم نہیں کئے گئے، دوسری صورت میں لفظ "الیکشن کمشنر" کو لفظ "الیکشن کمیشن" کا متبادل ہونا چاہیے تھا۔ مندرجہ بالا فیصلوں اور آئین کے قواعد و ضوابط اور مشاہدات پہ غور کرتے ہوئے ہم مائل ہیں کہ اسپیکر کا فیصلہ مورخہ 25 مئی 2012ء مجلس شورہ (پارلیمنٹ) کی کارروائی کے اندر نہیں آتا جو کہ آئین کے آرٹیکل 69 کے تحت عدالتی چھان بین کے زمرے میں نہ آتا ہو۔ مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں فاضل اٹارنی جنرل کے اٹھائے گئے اعتراضات مناسب نہیں ہیں۔ یہ مسترد کیے جاتے ہیں۔

37۔ یہ مشاہدہ کرنا کافی ہے کہ اسپیکر کو آرٹیکل 63 کے تحت جو ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ آیا اس نے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا باختیار عدالت نے اسے نااہلی کے زمرے میں جوشق (ا) میں شامل ہے معلوم کرنا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے یا اس کو باختیار عدالت نے بھی پاگل قرار دیا ہے وغیرہ اس مقدمہ میں۔ اسپیکر کو چاہئے کہ وہ متعلقہ عدالت کے فیصلے پر غور کریں۔ دوسرا نااہلی کے مقدمہ میں جو کہ قانونی عدالت کے فیصلہ میں عیاں نہ ہو۔ اسپیکر کو فیصلہ کرنا ہے اطلاعات کے مطابق جو اس کے سامنے لائے گئے۔ مثال کو طور پر ایک آدمی جو دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اور ذمہ داری پوری نہیں کرتا یا اس کی پاکستانی شہریت ختم ہو جاتی ہے یا اس نے باہر کی ریاست کی شہریت لی ہو یا اس نے پاکستان کی سروس میں منافع بخش عہدہ رکھتا ہو یا وہ کسی آئینی ادارے کی سروس میں ہو یا اس کی سروس ختم کی گئی ہو وغیرہ۔

38۔ اسپیکر کو فرد جرم کی مندرجات پر غور کرنا چاہئے تھا جس میں قلی طور پر یہ کہا تھا کہ آپ سید یوسف رضا گیلانی وزیر اعظم پاکستان جان بوجھ کر اُسے نظر انداز کیا اور نہ مانا نہ ہی احترام کیا جو کہ (PLD 2010 SC 265) ڈاکٹر مبشر حسن بنام فیڈریشن آف پاکستان کے مقدمے میں اس عدالت نے پیر 178 میں ہدایات دیں تھی کہ حکومت پاکستان گزارش کریں

باہمی قانونی معاونت اور فریق کی موجودہ صورتحال اور وہ دعوے جس میں غیر قانونی بھیجے گئے رقوم جو باہر ملکوں میں موجود ہے جس میں سوئٹزرلینڈ شامل ہے۔ جو کہ ملک محمد قیوم سابقہ اٹارنی جنرل آف پاکستان نے غیر قانونی طور پر متعلقہ حکام کو دستبردار ہونے کو کہا۔ آپ اس ہدایت پر قانونی طور پر احترام کرنے کے لئے پابند تھے۔ اور اس عدالت کے دائرہ سماعت میں آپ آرٹیکل (2) 204 اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973 بشمول Contempt of Court Ordinance دفعہ 3 (V of 2003 آرڈیننس) جو کہ سزا قرار دیتا ہے۔ آرڈیننس کے دفعہ 5 میں تو بین عدالت کے مرتکب ہوئے۔ ہم نے اس واسطے ہدایت کی کہ آپ کا مذکورہ بالا فرد جرم کا اس عدالت میں ٹرائل ہو۔ یہ بات دیکھی گئی کہ کوئی خاص فرد جرم رائے کے پروپیگنڈا کے متعلق یا کوئی بھی عمل عدلیہ کی آزادی کے خلاف یا بدنامی یا عدالت کے تضحیق جیسا کہ آرٹیکل (63) (1) (g) کے تحت بنائی گئی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ سید یوسف رضا گیلانی کے خلاف فرد جرم کا تعلق آئین کے آرٹیکل 63 کے شق (1) کے (g) یا (h) سے متعلق نہ ہے۔ اس لیے یوسف رضا گیلانی کے نااہلی کے متعلق ممبر ہونے کی حیثیت سے آرٹیکل (63) شق (2) کے تحت نہیں اٹھتا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ اسپیکر عدلیہ کی آزادی کے قواعد کی خلاف ورزی میں ہے۔ اور بظاہر اس نے اپیلٹ کورٹ کے اختیارات کا استعمال کیا کیونکہ سوائے عدالت اپیل کرنے کے لئے کوئی فورم آئین کے مطابق نہ ہے کہ وہ معزز سات جج صاحبان کے فیصلے کو ختم کریں۔ اس ضمن میں (PLD1998SC161) اسد علی بنام فیڈریشن آف پاکستان کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ عدالت کا فیصلہ جو کہ بڑے بیج نے دیا ہے۔ دوسرے بیج پر جو اس سے تعداد میں کم ہے ان پر مقید ہوگا۔ اور آئین کے آرٹیکل 190 کے تحت تمام جوڈیشیل فورم اور انتظامی عہدیداران عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے پابند ہے۔ اس ضمن میں ان مقدمات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ عفت جبین بنام ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر (ایم۔ای۔ای)، لاہور (2011SCMR 437)، الجہاد ٹرسٹ بنام فیڈریشن آف پاکستان (PLD1997SC84)، سیکشن آفیسر، گورنمنٹ آف پنجاب، فنانس ڈیپارٹمنٹ بنام غلام شبیر (2010 SCMR 1425)، چیمبر مین، سنٹرل بورڈ آف فریوینیو بنام نواب خان (2010 SCMR 1399) اور نذر بنام ممبر (جیوڈیشیل-II) بی او آر (2010SCMR 1429)۔ ان معاملات کی روشنی میں مدع علیہ کو کوئی قانونی جواز نہیں ہے کہ وہ پاکستان کے وزیراعظم کا عہدہ رکھیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عدالت ہمیشہ آئینی اور قانونی پیچیدگیوں میں اپنے اختیارات کا استعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ حکومت اپنے کام آئین میں رہتے ہوئے سرانجام دے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اپیل کی دی گئی معیاد گزرنے کے بعد آئینی درخواست نمبر 41/2012 مورخہ 27.05.2012 کو دائر کی گئی اور دریں اثنا اسپیکر اپنی رولنگ مورخہ 25.05.2012 کو آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت الیکشن کمیشن کو ریفرنس بھیجنے سے انکار کر دیا جو کہ مورخہ 26-04-2012 اس عدالت کے سات ججوں کے مشتمل بیج کے احکامات کی روشنی میں بھیجنا تھا۔ جیسا کہ پہلے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ اس ملک کے شہریوں کو اپنے اوپر حکمرانی کرنے کے لئے اپنے نمائندوں کو منتخب کریں۔ جو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن کی حیثیت



ہو۔ وہ نااہل نہ ہو اور جو نہی مجلس شوریٰ کا رکن نمائندہ ہوتا ہے وہ مزید ملک کا وزیر اعظم چنا جاتا ہے۔ وہ آئین کے آرٹیکل 63 کی روشنی میں نااہلی کے زمرے میں آتا ہے۔ اس طرح وہ رکن بھی نہیں رہتا۔ یہ ہر شہری کا حق ہے کہ وہ عزت اور شان کے ساتھ زندگی گزارے جس طرح کے آئین کے آرٹیکل 14 کے تحت دیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو اوپر وہ نمائندے حکمرانی کریں جو کبھی مجرم نہ ہوئے ہوں یا وہ توہین عدالت کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ جس کے نتیجے میں وہ 5 سال کے لئے نااہل ہو سکتے ہیں۔ فاضل وکیل نے جن فیصلوں پر انحصار کیا ہم نے ان کا مشاہدہ کیا۔ یہاں دیئے گئے اصولوں میں کوئی اور رائے نہیں ہے مگر اس مقدمہ کو اس کے اپنے حقائق اور حالات کی روشنی میں دیکھا گیا۔ یہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے جو منتخب نمائندے ہیں جو لوگوں کا منتخب نمائندہ جو کہ تمام سیاسی پارٹیوں اور پارلیمنٹ کی وجہ سے منتخب ہوا تھا۔ اس کو توہین عدالت کی وجہ سے مجرم قرار دیا اور سزا ہوئی ہے۔ اور اس جرم کی وجہ سے اس کو آئین کے آرٹیکل 63(1)(g) سنجیدہ نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ اس لئے شہریوں میں سے کوئی آگے آ کر وزیر اعظم کی نااہلیت کے بارے میں سوال اٹھاتا ہے کیونکہ آئین کے آرٹیکل 9، 14، 17 اور 25 کے بنیادی حقوق کی اس وجہ سے خلاف ورزی ہوئی۔ فاضل وکیل مدعا علیہ کی طرف سے کوئی بھی فیصلے کا حوالہ نہ دیا۔ کہ ایسا آدمی جو کہ توہین عدالت کے مجرم کے الزامات کا مرتکب ہو اور وہ ملک کا منظم اعلیٰ/وزیر اعظم کے طور پر کام کرتا ہو۔ وہ فیصلے مختلف حقائق اور حالات پر مبنی تھے اور اس مقدمے کے حقائق پر ان کا دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔

39۔ اگرچہ اس مرتبہ ہم نے آرٹیکل 63(2) پر اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد اس کی موجودہ شکل میں بحث کی، لیکن یہ کہنا بھی سیاق و سباق سے ہٹ کے نہ ہوگا کہ آرٹیکل 63 کی شق (2) میں مختلف اوقات میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ آرٹیکل 63(2) اصل شکل میں یہ کہتا ہے کہ اگر مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے کسی ممبر کی نااہلی کا سوال اٹھتا ہے تو سپیکر یا چیئر مین، جو بھی ہو، کو معاملہ چیف الیکشن کمشنر کو بھیجنا چاہیئے، اور اگر چیف الیکشن کمشنر یہ رائے رکھتا ہے کہ ممبر نااہل ہو گیا ہے تو اس کی رکنیت ختم ہو جانی چاہیئے اور اس کی نشست خالی ہو جانی چاہیئے۔ تاہم یہ شکایات بھی رہی ہیں کہ مختلف اوقات میں سپیکر زغیر معینہ مدت کے لئے ریفرنس نہیں بھیجا کرتے تھے۔ لہذا 21 اگست 2002 کو چیف ایگزیکٹو آڈر (LFO 2002) کے ذریعے درج بالا شق میں ترمیم کی گئی اور ریفرنس بھیجنے کے لئے وقت معین کر دیا گیا۔ ترمیم شدہ شق کے مطابق سپیکر یا چیئر مین جو بھی ہو ایسا سوال اٹھنے کے تیس دن کے اندر معاملہ چیف الیکشن کمشنر کو بھیجے گا۔ اس ترمیم کو ستارویں آئینی ترمیم کا حصہ بنا دیا گیا، اٹھارویں آئینی ترمیم کے ذریعے اس شق میں مزید ترمیم کی گئی اور یہ کہا گیا کہ سپیکر یا چیئر مین جب تک کہ یہ فیصلہ نہ کر لیں کہ ایسا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، معاملہ چیف الیکشن کمشنر کو بھیجے گا اور اگر مذکورہ وقت میں وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو یہ تصور کیا جائے گا کہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھیجا جا چکا ہے۔ موجودہ ترمیم میں لائی گئی تبدیلی صرف یہ تجویز کرتی ہے کہ سپیکر کسی مناسب کیس میں فیصلہ کرنے کا پابند ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور معاملہ الیکشن کمیشن کو بھیج

دے۔ کسی بھی صورت میں سپیکر کا یہ فیصلہ اس معاملہ کو عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں لے جاسکتا۔

40۔ جناب اعتراف احسن فاضل وکیل نے کہا کہ توہین عدالت کی 3 مختلف قسمیں ہوتی ہیں لیکن توہین عدالت کی صرف ایک قسم پارلیمنٹ کے ممبر کی نااہلی کا سبب بنتی ہے۔ ان تینوں اقسام کی توہین عدالت میں صرف دو توہین عدالت کے قانون 2003 کی سیکشن 18 سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ ہی مدعا علیہ کے ٹرائل کا اثر نااہلی کا باعث ہو سکتا ہے کیوں کہ الفاظ 'ridicule', 'defame' یا 'scandalize' میں سے کوئی لفظ شوکا ز نوٹس، فرد جرم، شہادت یا کسی سوال میں جو ملزم سے پوچھا گیا نہیں ہے۔ کسی بھی عدالت یا جج کے ذاتی اطمینان کا قانون سے کوئی تعلق نہیں اور اس حد تک 7 رکنی بینچ کے توہین عدالت کے آرڈیننس 2003 کی شق 18 مدعا علیہ کی نااہلی کا باعث نہیں۔

41۔ فاضل اٹارنی جنرل پاکستان نے دلیل دی ہے کہ سات رکنی بینچ کے سامنے وزیراعظم کی نااہلی کا سوال نہیں تھا۔ سوال صرف یہ تھا کہ کیا وزیراعظم نے کوئی توہین کی ہے یا نہیں۔ اس لئے سات رکنی بینچ کا فیصلہ آئین کے آرٹیکل 248 کے دفعات 102 کے خلاف تھی۔ سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار پاکستان کے علاقائی حدود سے باہر نہیں پھیلا یا جاسکتا تھا۔ اس لئے توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے سات رکنی بینچ کے فیصلے کو لازماً نظر انداز کرنا ہوگا جیسا کہ ماضی میں بہت سارے کیسز میں کیا گیا۔ اس کیس کو واقعاتی، قانونی اور آئینی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے سات رکنی بینچ کے معزز جج صاحبان کے پاس اس بات کا قطعی طور پر کوئی اختیار نہیں تھا کہ وزیراعظم پر توہین کا فرد جرم عائد کرے۔ وزیراعظم کی سزا ایک بے بنیاد الزام پر مبنی ہے۔ این آرا کیس میں سپریم کورٹ نے وزیراعظم کو جینوا کے حکام کو خط لکھنے کا کوئی حکم صادر نہیں کیا۔ قومی اسمبلی کے سپیکر نے اپنی Ruling میں فرد جرم کا بھی حوالہ دیا ہے سپریم کورٹ کی تمام تر کارروائی جس میں بالآخر وزیراعظم کو سزا یافتہ قرار دیا ہے اس کے اختیار سماعت سے باہر تھی۔ سات رکنی بینچ کے ساتھ ایسا کوئی موقع قطعی طور پر نہیں تھا کہ وزیراعظم کو قانون اور آئین سے بالکل ماوراء تین دفعہ بلاتے۔ توہین عدالت سے متعلق قانون کے تاریخی پس منظر میں جاتے ہوئے فاضل اٹارنی جنرل نے مزید کہا کہ ملک میں اس وقت توہین عدالت سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ سپریم کورٹ کے ناقابل عمل احکامات کی عدم تعمیل کی بنیاد پر وزیراعظم کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مقدمہ ہذا میں فرد جرم غیر قانونی ہے۔ یہ ایک انوکھا کیس ہے جس میں استغاثہ اور عدلیہ دونوں کے کردار عدالت نے ادا کئے۔ وزیراعظم کو نااہل قرار دینے کی غرض سے بالخصوص جب اس بات سے ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ ماضی میں منتخب حکومت عدالتی احکامات سے غیر مستحکم کئے جاتے رہے ہیں۔ وزیراعظم نے کسی حکم کو نظر انداز یا اس کی تصحیک نہیں کی۔ اس کے باوجود بھی پاکستان میں کوئی بھی عدالت وزیراعظم کو اس کے انتظامی اختیارات بارے کوئی حکم صادر نہیں کر سکتی۔ اور ماضی میں عدالتوں نے کبھی وزیراعظم کے امور میں مداخلت نہیں کی۔ اگر باغرض بحث اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ کسی حکم کی تصحیک کی گئی تو بھی آرٹیکل

(g)(1)63 کے تحت سزا کو لازماً براہ راست نتیجہ کے طور پر ہونا چاہیئے نہ کہ بالواسطہ۔ یہاں تعین جرم توہین یا مضحکہ خیز فعل کی وجہ سے نہیں ہے قانون میں دور کے نتائج کی بجائے براہ راست نتائج پر غور کیا جاتا ہے۔ موجودہ کیس میں آرٹیکل (g)(1)63 کے تحت نااہلی براہ راست نتیجہ کے طور پر ہونا تھی۔ یہ سزا ایک خط نہ لکھنے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی توہین یا تضحیک عدلیہ کی وجہ سے۔ وزیراعظم پر تضحیک عدالت کا فرد جرم عائد نہیں کیا گیا تھا۔ اور 2003 کے کالعدم توہین عدالت آرڈیننس میں لفظ (Ridicule) کا کہیں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ آرٹیکل (g)(1)63 کے لئے ایک مثبت عمل کا ہونا ضروری ہے۔ اس دفعہ کے تحت کسی کام سے غفلت (Omission) برتنا ہی عدلیہ کے توہین یا تضحیک کا باعث نہیں بنتی۔ توہین عدالت آرڈیننس 2003 کے دفعہ 18 پر کافی زور دیا گیا۔ یہ موضوع بحث سے باہر ہے۔ دفعہ 18 کا اصل نچوڑ یہ ہے کہ اس کو شاز و نادر استعمال کرنا چاہیئے اور سپریم کورٹ رولز 1980 کے مطابق اس کا روائی کی پیروی اٹارنی جنرل پاکستان کرے گا۔ محترم چیف جسٹس نشاندہی کرتے رہے ہیں کہ اس سزا کے خلاف اپیل کر کے ختم کروادینا ضروری تھا۔ سپیکر کو اس سوال میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ کوئی اپیل دائر ہوئی ہے یا نہیں۔ سات رکنی بینچ کے فیصلہ میں سنجیدہ آئینی اور قانونی سقم ہیں اور یہ کہ اس فیصلہ پر بھرپور بھروسہ (Reliance) کرنے کی وجہ سے درخواست گزار اس کیس میں ایک مسئلہ بنا رہا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس کیس کو لارجر بینچ کے حوالے کیا جائے تاکہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کی جائے۔ ایسی نظیریں ہیں کہ جس میں اپیل دائر نہیں ہوئیں ٹکا خان کیس میں کوئی اپیل دائر نہیں ہوئی اور ججز بحال کر دیئے گئے۔ یہ آج تک کالعدم قرار نہیں دی گئی ہے۔ اس کے فیصلوں پر بعد میں نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔ ایسی نظیریں بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ غلط/غیر قانونی حکم کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ اس لئے یہ سات رکنی بینچ کا فیصلہ بھی متقاضی ہے کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس سات رکنی بینچ کے فیصلے میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے ظاہر ہو کہ وزیراعظم نے کسی بھی ایسی چیز کی تشہیر کی ہے جس سے کہ عدلیہ کی تضحیک یا توہین ہوئی۔ آئین کے ان الفاظ کا براہ راست تعلق توہین یا تضحیک سے ہے۔ خاموشی کے ذریعے کسی کی کوئی توہین یا تضحیک نہیں ہوتی۔ مسئول الیہ کے فاضل وکیل اور فاضل اٹارنی جنرل کی طرف سے اٹھائے گئے درج بالا وجوہات کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ ان کی سماعت توہین عدالت آرڈیننس 2003 کے دفعہ 19 کے تحت دائر کردہ اپیل میں صرف اپیلیٹ عدالت ہی کر سکتی ہے۔

42۔ مسئول الیہ کے فاضل وکیل اور فاضل اٹارنی جنرل نے درج بالا قانونی نقاط اٹھائے ہیں جو کہ وہ اپیل میں اٹھا سکتے تھے۔ یہ بینچ آرٹیکل (3)184 کے تحت دیئے گئے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے سات رکنی اپیلیٹ بینچ نہیں ہے۔ اس لئے اس پر موجودہ کارروائی میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔

43۔ اس بات کا مزید اضافہ کیا جاتا ہے کہ آرٹیکل (2)62 کے تحت سپیکر نے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ آیا کسی رکن مجلس شوریٰ

کے نااہلی کا سوال پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ اس دفعہ کی تشریح/سمجھ کے لئے ضروری ہے کہ لفظ ”سوال“ کے معنی جیسا کہ مختلف لغات میں بیان ہوا ہے کو سمجھا جائے۔ کچھ لغات میں اس لفظ کے دیے گئے معنی/تشریح درج ذیل ہے۔

سوال: معلومات طلب جملہ:

- 2- کسی چیز کے سچائی، یقین اور قابل عمل ہونے کے بارے میں شک اور ایسے شک کا اظہار کرنا۔ (b)
- 3- ایسا مسئلہ جس پر بحث، فیصلہ یا ووٹ کرنا مطلوب ہو۔
- 4- جواب یا حل طلب مسئلہ۔
- 5- حالات پر منحصر معاملہ یا سوچ
- سوال: تفتیش کے لئے کسی شخص، شخصیت عدد یا چیز کے بارے میں سوال کرنا۔
- 2- سوال کے ساتھ، سوال کرنا، بحث مباحثہ یا گفتگو کرنا، اختلاف کرنا۔
- 3- سوال پوچھنا/کرنا۔
- 4- سوال بنانا، سوال اٹھانا۔ غیر یقینی جیسا شک رکھا۔
- 5- شک کا اظہار کرنا۔ تنازعہ۔ مخالفت کرنا۔
- (b) سوال میں لانا۔ مشکوک یا غیر محفوظ بنانا۔
- (c) سوال جیسا بیان کرنا۔
- 6- کے متعلق پوچھنا یا تفتیش کرنا۔ کسی چیز کی تحقیق کرنا۔

(Oxford English Dictionary , volume 8th)

- سوال: 1-(a) جواب طلب تفتیش کا اظہار
- (b) سوالیہ جملہ۔ محاورہ۔ اشارہ
- 2- اختلاف کے لئے کھلا موضوع، نقطہ، معاملہ
- 3- مشکل معاملہ۔ مسئلہ۔ اخلاقیات سے متعلق سوال
- 4- زیر بحث، زیر غور ایک موضوع یا نقطہ
- 5-(a) اجتماع کی طرف سے لایا گیا تجویز برائے غور و غوص
- (b) ایک تجویز کو ووٹ کے لئے لانے کا عمل
- 6- غیر یقینی، شک: کاروباری تنظیم کے جائز ہونے کے بارے میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(The American Heritage Dictionary of the English Language, 4th)

Edition)

دیگر معنوں کے علاوہ سوال کا مطلب کسی چیز یا مسئلہ کے متعلق شک جس کی وضاحت کرنا ضروری ہو ہے تاہم موجودہ کیس میں سات رکنی بینچ کا مسئول الیہ کو سزا دینے کے بعد اس کی نااہلیت کے متعلق شک باقی نہیں رہا۔ ان حالات میں سپیکر اپنے افعال کی انجام دہی میں اس متعین کردہ چیز کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ مسئول الیہ کے نااہلی سے متعلق سوال کو مثبت میں فیصلہ کر کے معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجواتے اگر متعلقہ حکام مذکور بالا اصولوں کا پاس نہ رکھتے تو ایک سزایافتہ فرد پارلیمنٹ کے معاملہ میں حصہ لیتا، وزیراعظم کے امور انجام دیتا، اور مملکت کے معاملات غیر آئینی طور پر چلا رہا ہوتا۔

44۔ اب ہم سید یوسف رضا گیلانی کے فاضل وکیل کی اس دلیل کی جانب متوجہ ہوتے ہیں کہ ہر سزا کسی شخص کو پارلیمنٹ کی رکنیت سے نااہل نہیں کرتی۔ یہ دلیل فاضل وکیل نے اپنے ذہن میں دو تاثرات کو رکھتے ہوئے دی۔ ایک یہ کہ مسئول علیہ کو بلا اختیار سماعت، عدالت نے کوئی رائے خراب کرنے کے بارے میں یا کوئی ایسا عمل جو عدلیہ کی آادی اور ساکھ کی تضحیک کرنے والا کوئی عمل یا اس کی بدنامی یا تضحیک کرنے کے سلسلہ میں سزا نہیں ہوئی اس لئے وہ نااہل قرار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ یہاں پر یہ دیکھا جائے کہ مسئول علیہ عدالت کے سات رکنی بینچ کے سامنے ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کی واضح ہدایت کا جاننے بوجھتے ہوئے حکم عدولی کا مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ حکم عدولی اتنی بڑی سطح پر توہین عدالت ہو سکتی ہے۔ جو کہ انصاف کے نظام کے لئے خطرہ ہو سکتی ہے اور نہ صرف یہ کہ عدالت بلکہ ملک کی عدلیہ کی تضحیک کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح لفظ تضحیک آئین کے آرٹیکل (g) (1) 63 میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سے نااہلی کی دفعہ متعارف ہوتی ہے۔ سات رکنی بینچ جس نے اس معاملہ کو نبٹایا اسی وقت نااہلی کا حکم صادر کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ عدالتی پیچیدگیاں جیسا کہ اپیل اور نظر ثانی کے حکم کو مد نظر رکھا گیا۔ مزید برآں اس کا مقدمہ سپیکر کے ذریعے قانونی ضابطہ کی پیروی کرنے کے مقصد سے تھا۔ اور سب سے بڑھ کر وہ اپنا دفاع کرنے میں حق بجانب تھا اگر اس کی پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے کوئی براہ راست چیلنج درپیش تھا۔ اور اب جب کہ آئین کے آرٹیکل 9، 14، 17 اور 25 میں مذکورہ بنیادی حقوق پر عمل درآمد کرنے کے سلسلہ میں متعدد درخواستیں دی گئی ہیں کہ سید یوسف رضا گیلانی وزیراعظم کے عہدے پر برقرار رہے بجائے اس کے کہ وہ قانون کے تحت دی گئی رعایت سے فائدہ اٹھائے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ توہین عدالت کا مرتکب ہونے اور سزاوار قرار دیے جانے کے بعد وہ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے نااہل ہے۔ مسئول علیہ کے فاضل وکیل کی اس درخواست کے بارے میں اٹھنے والا دوسرا سوال متعدد وجوہات پر مبنی لگتا ہے جس سے ہمیں تحریک دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سات رکنی بینچ کا فیصلہ توہین عدالت آرڈیننس 2003 میں بیان کردہ ”توہین عدالت“ کے چند عناصر پر مشتمل نہ ہے۔ فاضل اٹارنی جنرل نے بھی یہی دلیل دی۔ مشاہدے کے لئے کافی ہے کہ فاضل وکیل اور فاضل اٹارنی جنرل جنہیں عدالت کی آئینی معاملات پر معاونت کے سلسلے میں اور توہین عدالت کی کاروائیوں میں

پراسیکیوٹر کے طور پر مقرر کئے جانے کی حیثیت سے آرڈر XXVII رول 7 سپریم کورٹ رولز 1980ء کے تحت بلایا گیا۔ یہ نکات سات رکنی بینچ کے فیصلہ کے خلاف آسانی سے اپیل دائر کر سکتے تھے۔ بجائے اس کے کہ اس معاملے کو مختلف کاروائیوں میں ڈال دیا جائے۔

45۔ جناب اعتراز احسن اور محمد منیر پراچہ نے اس بات پر زور دیا کہ اگر یہ عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ سپیکر کی رولنگ 24 مئی 2012 کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہے تو یہ معاملہ سپیکر کو نئے سرے سے فیصلہ کرنے کے لیے جیسا کہ

Umar Draz Khan v. Muhammad Yousaf (1968 SCMR 880), Azmat Ali

v. Chief Settlement and Rehabilitation Commissioner (PLD 1964 SC

260) and Begum B.H.Syed v. Afzal Jahan Begum (PLD 1970 SC 29)

میں قرار دیا گیا دوبارہ بھیج دیا جائے۔ ہم نے فاضل وکلاء کی اس درخواست پر غور کیا جیسا کہ اوپر مشاہدہ کیا گیا کہ سپیکر کے پاس یہ فیصلہ کرنے کے لئے تیس دن کی مہلت تھی آیا کہ وہ ریفرنس بھیجنے پر متفق ہے کہ نہیں۔ اگرچہ اس کو اس معاملے کا فیصلہ جلدی کرنا چاہیئے تھا کیونکہ ملک کے معاملات پارلیمنٹ کے ایک ایسے رکن کے زیر نگرانی چل رہے تھے جو کہ سات رکنی بینچ کے فیصلہ کی روشنی میں جس کے خلاف کوئی اپیل دائر نہ کی گئی تھی اور نہ ہی قانون کے مطابق اسے معطل کیا گیا تھا اپنی سزا کے بعد نااہل ہو چکا تھا۔ تاہم سپیکر نے اس معاملے کا فیصلہ 24 مئی 2012 کو کیا جو کہ اس مقصد کے لئے فراہم کردہ تیس دن کی مہلت سے صرف ایک دن پہلے تھا۔ ان حالات میں معاملے کو واپس دوبارہ بھیجے جانے کی درخواست قابل پذیرائی نہ ہے۔ کیونکہ تیس دن کی مہلت جو پہلے ہی ختم ہو چکی ہے کو مزید طول نہیں دیا جاسکتا۔ اگر اس معاملے کا فیصلہ جلد از جلد نہ کیا گیا تو ملک مزید آئینی بحران میں مبتلا رہے گا۔ معاملے کے اس تناظر میں فاضل وکلاء کی جانب سے دیئے جانے والے بیان کردہ فیصلہ جات موجودہ مقدمہ سے حقائق کی روشنی میں مختلف ہیں اور اس پر لاگو نہیں ہوتے۔ عمر دراز خان کیس میں الیکشن پٹیشن مجاز اتھارٹی کی جانب سے اس بنیاد پر خارج کی گئی کہ اسے الیکشن کو کالعدم قرار دینے کا اختیار نہ تھا کیونکہ مسؤل علیہ عمر کی بنیاد پر انتخاب کے وقت جب کہ وہ الیکٹورل کالج کا رکن منتخب ہوا نااہل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس حکم کو ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن کے ذریعے چیلنج کیا گیا جو کہ منظور ہوئی اور مجاز اتھارٹی کے اس فیصلہ کو قانونی نظر میں کالعدم قرار دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اس کا نام الیکٹورل یونٹ کی رکنیت سے حذف کیا جائے۔ تاہم مقدمہ مجاز اتھارٹی کو الیکشن پٹیشن کا قانون کے مطابق از سر نو فیصلہ کرنے کے لئے واپس بھیجا گیا۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کو اس عدالت میں چیلنج کیا گیا جہاں اس بات کا مشاہدہ ہوا کہ اس نوعیت کی کارروائی میں ہائی کورٹ کو حقائق پر مبنی اختلافی سوالات کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے تھے اور اس پر مبنی کوئی رائے نہیں دینا چاہتے تھے۔ ان مشاہدات کی روشنی میں ہائی کورٹ کے اس حکم کو مجاز اتھارٹی کے حکم اور کیس کو ریمانڈ کرنے کی حد تک برقرار رکھا گیا۔ تاہم حکم نامہ کا کچھ حصہ جس کی روشنی میں کنٹرولنگ اتھارٹی کو مسؤل علیہ کا نام الیکٹورل کالج کے رکنیت سے حذف کرنے کے بارے میں تھا کو ختم کر دیا گیا۔ عظمت علی کے مقدمہ میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ

جب کوئی اعلیٰ عدالت کسی جوڈیشل یا Quasi جوڈیشل اتھارٹی یا ٹریبونل سے کوئی ریکارڈ طلب کرتی ہے جو کہ اگرچہ اس کے اپیل اختیار سماعت میں نہیں بھی آئے۔ اعلیٰ عدالتیں بلاشبہ انصاف کرنے میں مکمل اختیار رکھتی ہیں لیکن ضابطہ کے لئے اس مقدمہ میں بھی جہاں یہ مداخلت کرتی ہیں جہاں یہ محسوس کیا جائے کہ مجاز اتھارٹی/ٹریبونل کی جانب سے کچھ سوالات کا فیصلہ نہیں کیا گیا یا کسی ایسے سوال کا نئی شہادت کی روشنی میں فیصلہ کیا جانا چاہیے تو ایسے معاملات میں مقدمہ کو ٹریبونل یا اتھارٹی کو قانون کے مطابق نیا فیصلہ کرنے کے لئے ریمانڈ کرنا مناسب ہے۔ Begum B.H. Syed کیس میں ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ Settlement Authority کے حکم کو لوئر ٹریبونل کے فیصلہ کو کالعدم قرار دینے کے بعد مقدمہ کے میرٹ میں جانے اور یہ فیصلہ کرنے کے لئے کونسا فریق متنازعہ جائیداد کے انتقال کا حق رکھتا ہے۔ ہائی کورٹ کو ریٹیشن میں اختیار سماعت نہ ہے اگر ہائی کورٹ ایسا کرتی ہے تو اپنے اختیار سماعت سے تجاوز کرتی ہے۔

46۔ مذکورہ بالا فیصلہ جات مسئول علیہ کے فاضل وکیل نے جن سے موجودہ معاملہ میں رہنمائی حاصل کرنا چاہی کا اس سے تعلق نہ ہے کیونکہ ان میں سے ایک بھی مقدمہ میں پارلیمنٹ کے رکن کی نااہلیت جو کہ ملک کا چیف ایگزیکٹو تھا۔ اعلیٰ ترین عدالت کی جانب سے دی جانے والی سزا کی بنا پر جو کہ حتمی بھی ہو چکی اور جس کے خلاف کوئی اپیل دائر نہ کی گئی اور نہ ہی حقائق پر مبنی کسی نئے سوال کی تشریح کی ضرورت محسوس کی گئی جو موجود تھا۔ جیسا کہ الجہاد ٹرسٹ کیس میں بھی کچھ جج صاحبان معزول ہوئے اور کچھ برقرار رہے تاہم عدلیہ کا کردار ساقط نہ ہوا تھا۔ جب کہ موجودہ مقدمہ میں 180 ملین لوگ ایک نااہل ممبر پارلیمنٹ کے زیرِ انتظام حکومت کے محکوم تھے اور یہی پوزیشن کیبنٹ کی بھی تھی جس کو وزیر اعظم سربراہی کر رہے تھے کیونکہ وزراء صاحبان کے تمام کام وفاقی حکومت کے کام سمجھے جاتے ہیں اس لئے اس مقدمہ کو ریمانڈ کیا جانا نہ تو ملک کے مفاد میں تھا اور نہ ہی ادارے کے۔

47۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ آرٹیکل 63 کی تشریح کرتے ہوئے ایک کوشش کی گئی کہ اس مقدمہ کو آئین میں بیان کردہ پروویژن کے ہر زاویے کے اندر رکھا جائے۔ اس لئے الیکشن کمیشن کو مختصر حکم مقررہ 19 جون 2012 کے تحت برائے اجراء نوٹی فیکیشن معاملہ منتقل کیا جاتا مکمل طور پر آرٹیکل (2) 63 کے حصار میں آتا ہے اس حقیقت کی روشنی میں کہ سپیکر کی رولنگ کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔

48۔ اوپر کی گئی بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ مدعی علیہ 7 رکنی بینچ سے تو بین عدالت میں سزا پانے کے بعد، آئین کے آرٹیکل 63(1)(g) کے تحت پارلیمنٹ کا ممبر بننے سے اس لئے نااہل ہو گیا ہے کیونکہ عدالتی حکم کی تنسیخ کے لئے قانون کے تحت مہیا کی گئی دادرسی کے لئے رجوع نہیں کیا۔ اس لئے، جب معاملہ اسپیکر کے سامنے آیا تو اسے حالات کی نزاکت کے تحت بغیر تاخیر کے یہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوانا چاہئے تھا۔ باوجود اس کے کہ اس کے پاس ۳۰ دن کا وقت موجود تھا اور یہ کہ وہ سپریم

کورٹ کے حتمی حکم کے خلاف مجاز اپیلٹ اتھارٹی نہیں۔ ان حالات میں، یہ سوال کہ آیا آرٹیکل (2) 63 کے تحت ریفرنس الیکشن کمیشن بھجوا یا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اپنا ذہن استعمال کرتے ہوئے اسے 30 دن ختم ہونے سے پہلے ادارے اور ملک کے لئے یہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوانا چاہئے تھا تا کہ وہ مدعی علیہ کی ممبر کی حیثیت سے نااہلی کا نوٹیفیکیشن جاری کرتا۔ مدعی علیہ کے وکیل کی طرف سے آرٹیکل (2) 63 میں لفظ "unless" پر زیادہ زور دیا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ، آئین کی موجودہ شکل اسپیکر کو الیشوز کے حوالے سے پارلیمنٹ کی ممبر شپ سے نااہلیت کا اختیار دیتی ہے۔ جس کی تحقیق آرٹیکل (1) 63 کے تحت کی جاتی ہے۔ جہاں مجاز عدالت کی طرف سے سزا نہیں ہوتی اور یہ (2) 63 کے تحت 30 دن کے عرصہ کے اندر کرنا ہوتا ہے۔

49۔ یہاں جب آرٹیکل (2) 63 کے تحت اسپیکر کی طرف سے الیکشن کمیشن کو کوئی معاملہ بھجوا یا چکے یا بھجوا جا رہا ہو تو الیکشن کمیشن کے کردار اور افعال کے بارے میں بھی بتایا جاسکتا ہے۔ آرٹیکل (3) 63 بتاتا ہے کہ الیکشن کمیشن وصولی سے 90 دن کے اندر معاملے کا فیصلہ کرے گا۔ اور اگر اس کی رائے میں ممبر نااہل ہو گیا ہے تو وہ ممبر نہ کہلائے گا اور اس کی نشست خالی تصور کی جائے گی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ آرٹیکل (2) 63 کے تحت لفظ "decide" استعمال کرنے کے باوجود جب متعلقہ شخص کی سزا کے متعلق حتمی فیصلہ آجائے تو اسپیکر قومی اسمبلی کا اختیار ہے کہ وہ معاملے کا مثبت فیصلہ کرے۔ اسی طرح آرٹیکل (3) 63 میں لفظ "decide" استعمال کرنے کے باوجود الیکشن کمیشن حتمی فیصلے کے خلاف اپیل نہیں سن سکتا اور اسے اس معاملے پر مثبت فیصلہ دینا ہوتا ہے کہ سزا یافتہ شخص نااہل ہو گیا ہے۔ اس لئے، اس کی نشست خالی تصور ہو گی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ آرٹیکل (1) 63 میں درج دوسری نااہلیوں میں صاف فرق ہے۔ جن میں تنازعہ حقائق کے بارے میں معلومات اسپیکر کے سامنے رکھی جاتی ہیں۔ اس لئے، الیکشن کمیشن اسپیکر کی طرف سے ریفرنس بھیجے جانے کے بعد، ان معاملات میں دوبارہ جانچ پڑتال کی ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر کوئی ممبر پارلیمنٹ مجاز عدالت کی طرف سے سزا یافتہ ہو، جو کہ حتمی قرار دے دی گئی ہو تو الیکشن کمیشن کا کردار، عدالتی فیصلے کی بنیاد پر، متعلقہ ممبر کی نااہلیت کے بارے میں نوٹیفیکیشن جاری کرنے کی حد تک محدود ہو جاتا ہے۔

50۔ اس کیس میں، اسپیکر نے، کیس کے حالات کے تحت الیکشن کمیشن کو ریفرنس نہیں بھیجا، دائرہ اختیار سے تجاوز کیا اور 30 روز کا وقت گزارا۔ موجودہ کیس کے حقائق اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے، آئین میں دیئے گئے 30 دن کو بڑھایا نہیں جاسکتا۔ لہذا کوئی دوسرا حل نہ ہونے پر، معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوا یا گیا تا کہ وہ مدعا علیہ کا 26 اپریل 2012 سے جب اسے سات رکنی بینچ نے سزا دی کو بطور ممبر پارلیمنٹ نااہلیت کا نوٹیفیکیشن جاری کرے۔ آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے مطابق اگر وہ (اسپیکر) ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھجوا یا جا چکا ہے۔ اس صورت حال میں اس عدالت کا متذکرہ بالا فیصلہ کی تعمیل لازم تھی اور یہ سمجھا جائے گا کہ معاملہ الیکشن کمیشن کو بھیجا جا چکا ہے۔ الیکشن کمیشن یہ سمجھے گا کہ اسے آئین کی متذکرہ بالا شق کے تحت ریفرنس بھجوا یا جا چکا ہے اور آئین کے آرٹیکل (3) 63 کے تفویض کردہ اختیار



کے تحت مدعا علیہ کی نااہلی کا نوٹیفیکیشن جاری کیا جا چکا ہے۔

51۔ اب ہم مدعا علیہ کے بطور وزیراعظم مورخہ 26 اپریل 2012ء جو کہ انکی تاریخ سزا ہے سے لیکر 19 جون 2012ء تک کے تمام فیصلوں اور اقدامات کی قانونی حیثیت کی طرف آتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس عدالت نے عاصمہ جیلانی بمقابلہ گورنمنٹ آف پنجاب (PLD 1972 SC) (139) اور سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے مقدمات میں ایسے اقدامات کو تحفظ فراہم نہیں کیا جو کہ آئین اور قانون کے مطابق نہیں تھے۔ اس مقدمے میں، مدعا علیہ آئین کی شق (2) 204 اور توہین عدالت آرڈیننس 2003 کے تحت 26 اپریل 2012ء سے سزایافتہ ہو کر قومی اسمبلی کی رکنیت سے نااہل ہو کر اس کے لئے اجنبی ہو گئے، لیکن آئین اور قانون کے خلاف وزیراعظم کا عہدہ سنبھالے رکھا، اس لئے انکے کیے گئے تمام فیصلوں اور افعال کی کوئی دستوری حیثیت نہیں ہے۔ تاہم مرکزی حکومت یا صوبائی حکومتیں اگر چاہیں تو سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کیس کی روشنی میں ان فیصلوں اور اقدامات کی توثیق کیلئے یہ معاملہ پارلیمنٹ کو بھیج سکتی ہیں۔

52۔ مندرجہ بالا وجوہات ہمارے شارٹ آرڈر مورخہ 19-06-2012 کی ہیں جو کہ درج ذیل ہے:-  
”تفصیلی وجوہات بعد میں لکھی جائیں گی، درج بالا پیشکشز کا حسب ذیل فیصلہ کیا جاتا ہے:

- 1۔ یہ عدالت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل (3) 184 کے تحت مجاز ہے کہ وہ شہریوں کے مفاد عامہ کے تمام معاملات میں بنیادی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائے۔
- 2۔ اسپیکر قومی اسمبلی آئین کے آرٹیکل (2) 63 کے تحت اختیارات کا استعمال کرتا ہے جو کہ مجلس شوریٰ کی اندرونی کارروائی کی تعریف میں نہیں آتا، اس لئے، یہ عدالت، اپنے عدالتی نظر ثانی کے اختیارات کے تحت مورخہ 25/05/2012 کے حکم میں مداخلت کی مجاز ہے۔ اس حوالے سے مائنگ انڈسٹریز آف پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹیڈ بنام ڈپٹی اسپیکر صوبائی اسمبلی بلوچستان (PLD 2006 Quetta) (36)، مدد علی بنام صوبہ سندھ (1996 SCMR 366)، شمس الدین بنام اسپیکر بلوچستان صوبائی اسمبلی (1994 MLD 2500)، محمد نعیم اختر بنام اسپیکر سندھ صوبائی اسمبلی (1992 CLC) (2043)، فرزند علی بنام صوبہ مغربی پاکستان (PLD 1970 SC 98)، محمد انور درانی بنام صوبہ بلوچستان (PLD 1989 Quetta 25)، جگجیت سنگھ بنام ہریانہ اسٹیٹ (AIR 2007 SC)

(590) اور راجندرہ سنگھ رانا بنام سوامی پرساد موریہ (AIR 2007 SC 1305) کیسوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

3- جیسا کہ ایک سات رکنی بینچ نے بحوالہ مختصر فیصلہ مورخہ 26.04.2012 جس کا تفصیلی فیصلہ مورخہ

08.05.2012 کو دیا گیا سید یوسف رضا گیلانی کو آرٹیکل (2) 204 آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973 اور دفعہ 3 توہین عدالت آرڈیننس 2003 کے تحت توہین عدالت کا مرتکب قرار دیتے ہوئے دفعہ 5 متذکرہ آرڈیننس کے تحت عدالت کے برخاست ہونے تک سزائے قید دی گئی، جبکہ اس سزا کے خلاف کوئی اپیل دائر نہ کی گئی اس لئے یہ سزا حتمی ہوگئی۔ اس لئے آئین کے آرٹیکل (g) (1) 63 کی رو سے سید یوسف رضا گیلانی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت سے اس وقت سے تمام تر نتائج کے ساتھ نااہل ہیں جب اس عدالت نے مورخہ 26.04.2012 کو فیصلہ سنایا اس طرح وہ متذکرہ تاریخ سے وزیراعظم پاکستان نہ رہے ہیں لہذا وزیراعظم کا عہدہ خالی تصور کیا جائے۔

4- الیکشن کمیشن آف پاکستان کے لیے لازم ہے کہ وہ سید یوسف رضا گیلانی کا مجلس شوریٰ کی رکنیت سے نااہل ہونے سے متعلق نوٹیفیکیشن جاری کرے جو کہ 26.04.2012 سے نافذ العمل ہو اور

5- صدر پاکستان کے لئے لازم ہے کہ وہ ملک میں آئین کے تحت حکومت کے پارلیمانی نظام کے ذریعے جمہوری تسلسل کو یقینی بنانے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔

2- ہم فاضل وکلاء صاحبان جو فریقین کی طرف سے پیش ہوئے اور ان مقدمات کے فیصلہ میں اپنی قیمتی معاونت فراہم کرنے پر ان کے شکر گزار ہیں اور انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

چیف جسٹس

جج

جج

اسلام آباد، 19 جون 2012ء

کھلی عدالت میں سنایا گیا

چیف جسٹس

